دارا شکوہ کے مذہبی عقائد

سیّد محمد اسلام شاہ ایم۔ اے

دارا شکوہ کے مذہبی عقائد

سیّد محمد اسلام شاہ ایم۔ اے

ذخیرہ کتب:۔ محمد احمد ترازی

1·50
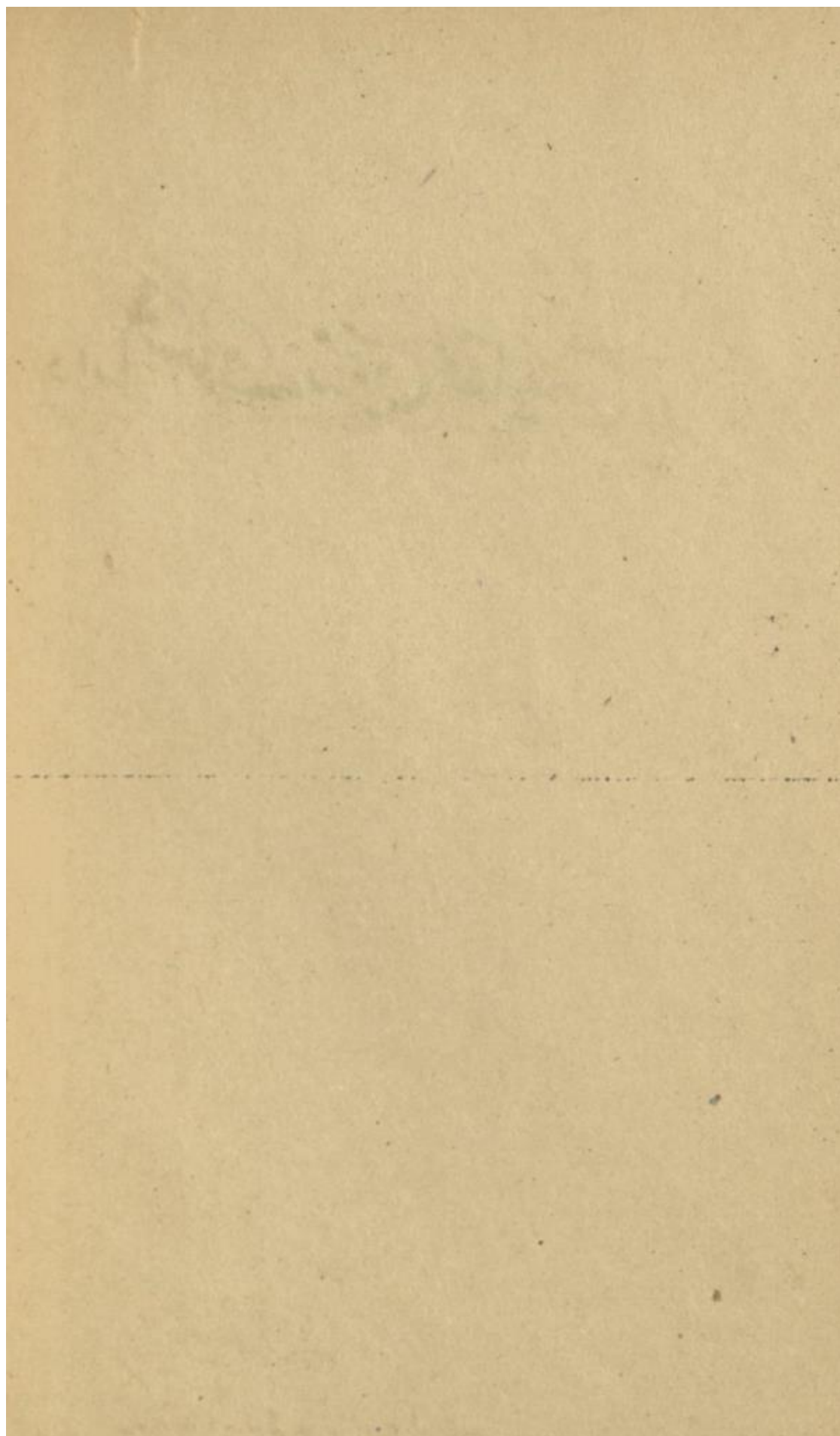
دارا شکوہ کے مذہبی عقاید

دارا شکوہ کے مذہبی عقائد

سید محمد اسلام شاہ۔ ایم اے

سنگ میل پبلی کیشنز
چوک اردو بازار ۔ لاہور

سنہ ۱۹۶۸ء

ناشر - - نیاز احمد

تعداد - - ایک ہزار

قیمت - - دو روپے

مطبوعہ

پنجاب آرٹ پریس بیرون موری دروازہ لاہور

میرے والد مرحوم سیّد محمد اعظم شاہ کے نام
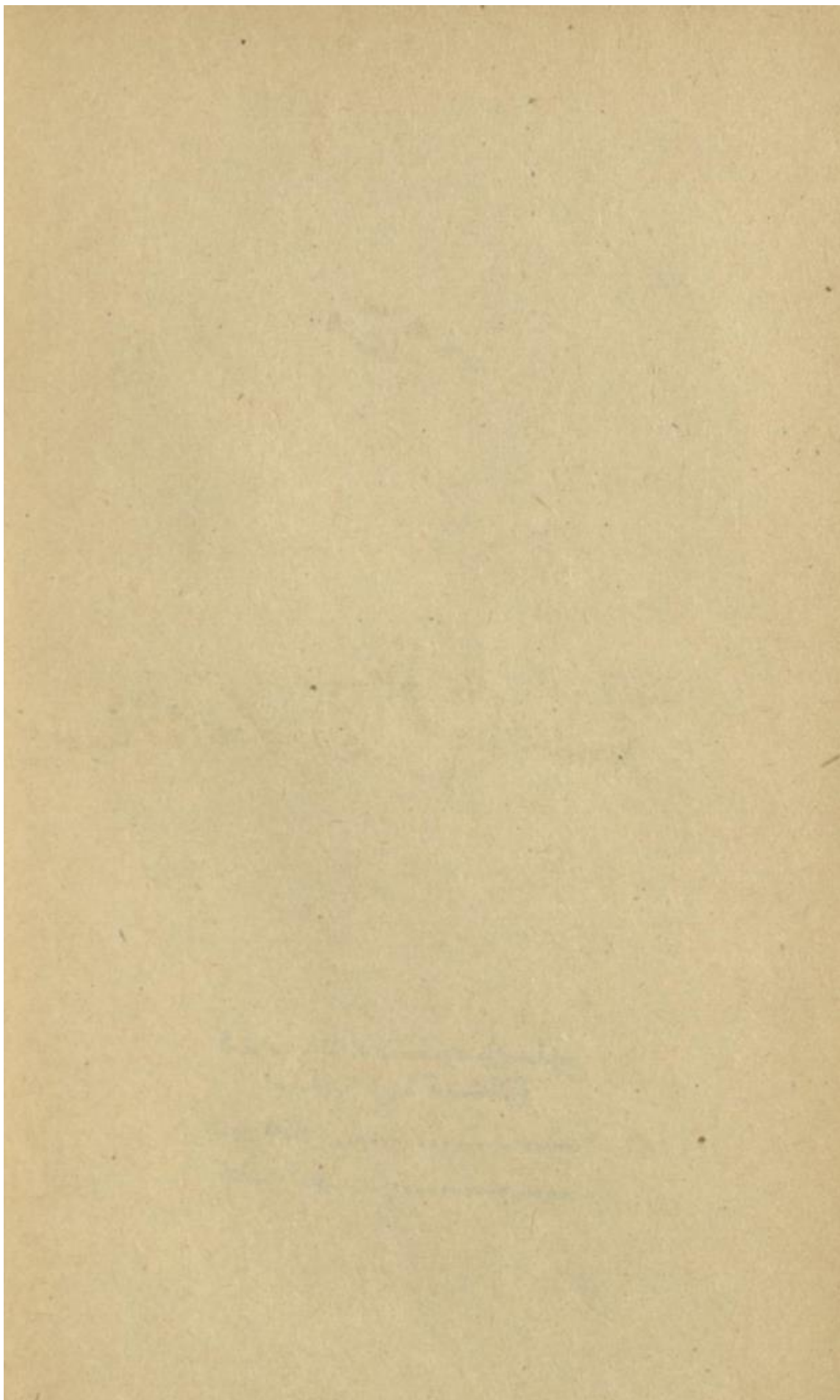
مقدمہ

"دارا شکوہ کے مذہبی عقائد ——— سید محمد اسلام شاہ کی تالیف ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب ایک نازک اور اہم مسئلے سے متعلق ہے۔ نازک ان معنوں میں کہ تاریخ کے اوراق دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کو دو متحارب گروہوں کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ دو مخالف مذہبی رجحانات کے نمائندوں کے طور پر دیکھنے کی عادی ہے۔ یہ سوال کہ دارا شکوہ حق پر تھا یا عالمگیر؟ یہ سوال کہ دارا ملحد و کافر تھا یا مسلمان؟ یہ سوال کہ دونوں میں تخت کا جائز وارث کون تھا؟ ——— ان ڈھیر سارے سوالات کا جواب مؤرخوں کے سر ہے سید محمد اسلام شاہ کو اس پہلو سے کوئی سروکار نہیں۔ انہوں نے اپنا موضوع دارا کے اعمال کے بجائے زیادہ اس کے عقائد کو بنایا ہے۔ کیا دارا اپنے عقیدے کے اعتبار سے ان مسلمانوں سے مختلف تھا۔ جو آج بھی برصغیر پاک و ہند میں رہتے بستے ہیں؟ یہ سوال اسی لئے نازک تر ہو جاتا کہ ایک طرف تو اس کے سرے تخت نشینی کی اس جنگ سے وابستہ

ہیں جن میں اورنگ زیب عالمگیر کامیاب و کامگار ہوا اور دوسری طرف اس کا سلسلہ مذہبی عقائد کی اس زنجیر سے جا ملتا ہے، جس کے ایک سرے پہ اکبر اور دوسرے پہ عالمگیر کھڑے ہیں۔ اکبر کے دین الہی سے لیکر عالمگیر کی مذہبی شیفتگی تک فرقوں کے لاتعداد سلسلوں کے وردش بدوش صوفیانہ مسلک بھی پائے جاتے ہیں۔ دارا شکوہ قادری سلسلے سے منسلک تھا۔ ملا شاہ بدخشی کے حلقۂ ارادت اور حضرت میاں میر کے سلسلۂ تصوف سے متعلق ہونے کے علاوہ وہ صاحب تصنیف بھی ہے۔ دارا کے عقائد کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے جہاں معاصر تاریخوں کی ورق گردانی ضروری ہے وہاں خود دارا شکوہ کی کتابوں کا مطالعہ بھی اہمیت رکھتا ہے۔

فاضل مصنف نے متاخر تاریخوں کی بجائے قدیم منابع پر بھروسہ کرکے سوچ بچار کا ایک راستہ نکالا ہے۔ اس سے عالمگیر کی تحقیر مقصود نہیں عرضا امر واقعہ کا اظہار مطلوب تھا۔ سید اسلام شاہ اپنے مقصد میں خاصے کامیاب نظر آتے ہیں۔

———————— (وحید قریشی)

باب اوّل

حالاتِ زندگی

گلِ اولینِ گلستانِ شاہی

پیدائش : یہ حضرت جہانگیر کے عہد کے مشہور شاعر ابو طالب کلیم نے داراشکوہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں موزوں کیا ہے۔ مصنف عمل صالح نے ابو طالب کلیم کی مکمل نظم درج کی ہے۔ اس کے علاوہ جشن ولادت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے تاریخ اور وقت کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں "سلطان داراشکوہ کہ از جملہ ہر دو دانہ والا گوہر بزیب کبر سن و مزید قدر و شان سرافراز است۔ ولادت سراسر سعادت آن شاہزادہ والا قدر کہ بیان سنا سعد نتیجہ ترتیب این مقدمات است بعد از انقضای دوازدہ گھڑی و چہل و دو پل کہ عبارت است

از پنج ساعت و چہار دہ دقیقہ نجومی از شب دوشنبہ بیست و نہم صفر سنہ ہزار و بیست و چہار ہجری (۲۹ صفر ۱۰۲۴ھ) مطابق شب نہم فروردی ماہ الٰہی دہم سال جلوس جہانگیری رو نمود[1]

شہزادہ والا قدر کا نام بھی جہانگیر نے خود رکھا اور جہانگیر نے تزک جہانگیری میں دعائیہ جملوں کے ساتھ اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

دپیر از شب گذشتہ مطابق شب دوشنبہ بست و نہم صفر بہ طالع قوس در خانۂ بابا خرم از دخترے آصف خاں پسرے متولد شد او را دارا شکوہ نام نہادم امید کہ قدم او بریں دولت ابد پیوند بہ پدر اقبال مندش مبارک و میمون باشد[2]

دارا کی پیدائش کے بارے میں مزید معلومات بادشاہ نامہ[3] اور دارا شکوہ کی اپنی کتاب سفینۃ الاولیا[4] میں ہیں دارا ان تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میرے والد کے گھر میں نرینہ اولاد نہ تھی۔ انہوں نے خواجہ اجمیر سے انتہائی عقیدت اور خلوص رکھنے کی وجہ سے ہزار ہا نذر و نیاز کے ساتھ لڑکے کی درخواست کی اور اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست

---

[1] عمل صالح جلد اول ص۹۳ — [2] تزک جہانگیری ص۱۴۹

[3] بادشاہ نامہ (عبدالحمید لاہوری) جلد اول ص۳۹ — [4] سفینۃ الاولیا ص۹۳

قبول کر لی۔ دارا شکوہ کی ولادت کی خواجہ اجمیر کے ساتھ اس نسبت
کا اثر داراکی تمام زندگی میں نمایاں ہے کہ اس نے ساری زندگی
انہی بزرگانِ دین کے عقائد اور مشربِ تصوف کی تبلیغ میں گزار
دی۔

بچپن: دوسرے مغل شہزادوں کی طرح دارا شکوہ کے
بچپن کے حالات کی تفصیل بھی تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے
چند ایک باتیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دارا شکوہ دو سال کی عمر سے چار سال کی عمر تک والد کی
معیت میں تلنگانہ کے جنگلوں میں پلا۔ کیونکہ جب شہزادہ خرم
(شاہجہان) نے نور جہاں سے تنگ آکر علم بغاوت بلند کیا۔ ناکامی
ہوئی اور وہ ان جنگلوں میں دو سال مارا مارا پھرا۔ ممتاز محل اور
بچے اس مصیبت اور پریشان حالی میں برابر کے شریک تھے۔
آخر کار خرم کو والد کے دامنِ شفقت میں اس شرط پہ پناہ ملی کہ وہ
اپنے دونوں لڑکے یعنی دارا شکوہ اور اورنگ زیب کو دربارشاہی میں
بھیج دے اور قلعہ رہتاس اور قیدیوں کو بادشاہ کے ملازموں کے
سپرد کر دے۔ چنانچہ پیغام ملنے کے بعد اولاد کے ساتھ کمال تعلق
اور دلبستگی کے باوجود والد کی رضا جوئی کو مقدم رکھتے ہوئے ان

بچوں کو بمعہ قیمتی تحفے اور تحائف عالیجاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور یہ بچے دو سال اپنے دادا کی خدمت میں رہے[1]۔

آخر کار شاہجہان کے تخت نشین ہونے کے تین ہفتے بعد بچوں کا نانا آصف خان ان کو شاہجہان کے دربار میں لایا۔ دارا شکوہ نے رسومات دربار کے مطابق دربار میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی اور دیگر رسومات ادا کیں۔ اور اس کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہانہ مقرر ہوا[2]۔

تعلیم و تربیت : دارا شکوہ کو دوسرے مغل شہزادوں کی طرح ابتدا میں دینی علوم۔ فارسی شعر و ادب اور خاندان تیموریہ کی تاریخ پڑھائی گئی۔ اس کو فن کتابت اور خطوط نویسی میں بھی خاصی مشق کرائی گئی۔ سب سے پہلے ملا میرک شیخ ہروی اور ملا عبداللطیف سلطان پوری کو دارا کا معلم مقرر کیا گیا[3]۔ ملا میرک شیخ ہروی عہد شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے یہاں ملا عبدالسلام لاہوری سے علوم متداولات کا اکتساب کیا۔ پھر حرمین شریفین گئے۔ وہاں علم حدیث

---

[1] تزک جہانگیری ص۳۸۰، ص۳۸۴

[2] تزک جہانگیری ص۳۸۳

[3] عمل صالح جلد اول ص۱۶۴ بادشاہ نامہ جلد اول ص۹۴ سے ص۹۵۔

کی تکمیل کی اور اکابر حدیث سے اسناد حاصل کیں اور ہندوستان واپس آکر دارا کی تعلیم کا منصب سنبھالا۔

ملا عبد اللطیف سلطانپوری فہم و ادراک، تقریر و تحریر، قوت حافظہ اور تحقیق کے میدان میں یگانۂ روزگار تھے۔ انہوں نے کتب متداولہ ملا جمال لاہوری سے پڑھیں اور علم کلام میں فلسفۂ یونان کے ماہر فتح اللہ شیرازی سے استفادہ کیا۔[ک]

ان اساتذہ نے دارا شکوہ میں علمی تحقیق، علم معقولات، دینی علوم کے لئے گہرا ذوق پیدا کیا۔ دارا شکوہ نے بھی انتہائی دلچسپی اور محنت سے تعلیم حاصل کی اور ایک اچھے اور ذہین طالب علم کی حیثیت سے ان فاضل اساتذہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اس کی تصنیفات میں ان اساتذہ کی تعلیمات کا اثر نمایاں ہے۔

علمی تحقیق اور عمیق مطالعہ کا یہ شوق دارا شکوہ کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوا۔ اس نے فارسی شعراء میں رومی، جامی، سنائی، حافظ اور دیگر شعراء کے کلام پر صد درجہ عبور حاصل کیا۔ اور اپنی شاعری میں انہی شعراء کے رنگ تصوف کو اپنایا۔ ویسے بھی دارا دوسرے

ک بادشاہنامہ جلد اول حصہ دوم ص ۳۴۲

مغل شہزادوں کے علی الرغم جنگی کارناموں کی داستانوں اور سیاسی گتھیوں کے رموز کی بجائے فلسفہ، منطق، اسلامیات، تقابل ادیان اور علوم تصوف کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اس کی تصنیفات سے یہ بات واضح ہے کہ دارا نے یہودیت، مسیحیت، ہندومت اور اسلام کے بارے میں گہرا مطالعہ کیا۔ اسے عربی، فارسی اور سنسکرت پر یکساں عبور حاصل تھا۔ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا خوش نویس بھی تھا مولانا غلام محمد[1] دارا کی اس فن میں مہارت رکھنے کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"داراشکوہ پسر شاہجہان بادشاہ شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشتغال امور شہزادگی و دیگر علوم میرویہ آقا عبدالرشید شاید کسے مثل او نوشتہ باشد[1]۔ یعنی دارا کا خط اپنے استاد عبدالرشید یگانہ روزگار سے انتہائی مماثلث رکھتا تھا۔

شادی اور ازدواجی تعلقات:

۱۰۴۲ھ کو ولایت خاندیش میں قیام کے دوران ملکہ ممتاز محل نے شہزادہ داراشکوہ کی شادی صبیحہ دختر والا اختر پرویز سے ٹھہرائے

لہ تذکرہ خوش نویساں ص۵۵

کی تجویز پیش کی۔ شاہجہان نے اس رائے کو صائب ٹھرایا[1] لیکن ممتاز محل ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ ہجری کو برہان پور میں اچانک وفات پاگئی جس سے شادی التوا میں پڑ گئی۔[2]

اڑھائی سال کے بعد دارا کی بڑی بہن جہاں آرا بیگم کی نگرانی اور ستی النساء بیگم کی مدد سے شادی کی تیاریاں شروع کردی گئیں۔[3] جہاں آرا بیگم چاہتی تھی کہ شادی انتہائی تزک و احتشام سے ہو۔ کیونکہ مرحومہ والدہ اس خواہش کا اکثر اظہار کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ۸ جمادی الاول ۱۰۴۲ھ کو رسم ساچق انتہائی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوئی۔

رسم ساچق کے تین ماہ بعد یکم شعبان ۱۰۴۲ھ کو شادی سرانجام پائی۔ شادی کی تقریب کو مکمل جوش و خروش سے منایا گیا۔ بزم نشاط، چراغاں و آتش بازی اور ارباب نغمہ کا مظاہرہ ہوا۔ مغلیہ خاندان کے دستور کے مطابق دارا شکوہ کے ہاتھ آفتاب پوش دوشیزاؤں نے حنا سے رنگ دیئے اور اعلیٰ مہمانوں کی انگلیوں پر کہ بانوؤں نے حنا

---

[1] عمل صالح جلد اول ص۴۱۵ اور پادشاہنامہ جلد اول ص۳۸۲

[2] عمل صالح جلد اول ص۴۴۵

[3] بادشاہ نامہ جلد اول ص۵۳۱ تا ص۵۳۶ عمل صالح جلد اول ص۵۲۵ سے ۵۲۷ تک

انگیائی اور سہرے رومال باندھے۔ اس تقریب میں عورتوں کے
ہنگامہ شادمانی کو محمد صالح کنبوہ لاہوری اس طرح پیش کرتا
ہے[1]

گلرخان لالہ عذار بنفشہ موی دشمن بران سرو قد نسرین بناگوش
کہ جہانا گلشن صنع آفریدگار دبستان قدرت آنحضرت اند یاسمنہ
سرو بستان ناز بر غم سروستان باغ و بوستان بخرامش در آمدہ و
چون صد ہزار باغ و بہار بر خلاف معہود باغ و بہار سرگرم گلگشت
گشتہ دستہ دستہ سنبل پر تاب مشک بیز از طرۂ دلآویز با ہزاران
سرکشی در پا کشان و سر بسر در رہ و بدل ول بیدلان بصد دست آویز
پامال کنان۔

مسلسل موئی خوبان ختائی   ازیشان عقل در زنجیر خطائی
ہزاران بعد سنبل تاب دادہ   متاع ہوش با سیلاب دادہ
نگہ خواب اجل تعبیر کردہ   دہان سر نگو تفسیر کردہ

ابو طالب کلیم نے بھی اس جشن مسرت سے متاثر ہو کر یہ شعر
کہے اور شادی کی تاریخ بیان کی۔

ازیں دلکشا جشن وافر سرور — ہمہ عید شد سر بسر ماہ و سال
زمانہ گرفت امتداد فرح — چو ناری کہ پنہاں شود در لآل
دو سعد اختر برج شاہنشہی — بہ برج شرف یافتند اتصال
ز آمیزش زہرہ و مشتری — سعادت گرفتست اوج کمال
خرد بہر تاریخ ایں سور گفت — قران کردہ سعدین برج جلال

اس تقریب سعید میں شام کے وقت دارا شکوہ تخت شاہی کے قریب جاکر آداب بجا لایا۔ اور شاہجہان نے اس کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالا اور وہ سہرا اس کے سر پہ باندھا جو کہ اس کی اپنی شادی کے وقت جہانگیر نے اس کے سر پہ باندھا تھا۔ اسی رات قاضی محمد اسلم نے نکاح خوانی کی اور یہ تقریب سعید ۸ شعبان کو بخیر و خوبی سرانجام پائی[1]

جہاں تک دارا کے ازدواجی تعلقات کا معاملہ ہے۔ دارا اپنی بیوی کریم النساء المعروف نادرہ بیگم سے انتہائی محبت کرتا تھا جب وہ جہانگیر آباد میں سخت بیمار ہوئی تو اس نے خود اس کی کئی مہینے تک تیمارداری کی۔ اس کی صحت و تندرستی کی خاطر کسی قسم کی کوشش

---

[1] عمل صالح ص ۵۳۳

میں کمی نہ آنے دی۔[۲]

نادرہ بیگم کے بطن سے ۸ بچے پیدا ہوئے۔ دارا کے ان تمام بچوں میں سے سلیمان شکوہ پاک نہاد بانو بیگم، جہاں زیب بانو اور سپہر شکوہ کے سوا باقی بچے چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔

دارا کے ہاں ہر بچہ کی پیدائش کے بعد شاہجہان دارا کے گھر جا کر جشن ولادت کے موقع پر دو لاکھ روپیہ عطیہ دیتا تھا۔[۳]

منوچی نے دارا کی ایک اور شادی کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ دارا کو ایک ہندو رقاصہ رانا دل سے محبت ہو گئی۔ شاہجہان سے دوسرے نکاح کی اجازت بمشکل مل ہی گئی۔[۴] لیکن اس بیوی کا کسی اور مستند تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ اس کے بطن سے کسی بچے ہی کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ لہذا منوچی کے دوسرے افسانوں کی طرح یہ قصہ بھی من گھڑت معلوم ہوتا ہے۔

منصب و درجات داراشکوہ:

مغلیہ دور میں نظام حکومت کا انداز یہ تھا کہ شہنشاہ وقت بلند پایہ حکمرانوں، سپاہیوں، شاعروں، ادیبوں، طبیبوں، فنکاروں اور

---

[۲] بادشاہنامہ جلد دوم ص۱۰۵ اور ۱۷۵ [۳] بادشاہنامہ جلد دوم ص۲۴۵

[۴] بادشاہنامہ جلد دوم ص۲۴۳، ۲۶۱۔

عالموں کو صاحب امتیاز بنانے کے لئے خلعت ہائے خاصہ پنج ہزار بشش ہزار وغیرہ کے منصب اور عہدے عطا کیا کرتے تھے۔

شہزادہ دارا شکوہ کو ۱۰۴۳ھ میں دوازدہ ہزاری ذات اور شش ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔ اس کے بعد دارا نے انتہائی کم مدت میں سلطنت کا اونچے سے اونچا منصب حاصل کر لیا۔ اور یہ خصوصیت کسی مغل شہزادے کو حاصل نہیں ہوئی۔ شاہجہان نے دارا کو سرکار حصار بھی عطا کر دی تھی۔ جو صرف ولی عہد سلطنت کو ملتی تھی۔

دارا ۱۰۶۶ھ تک چالیس ہزار ذات کے عہدے پر فائز ہو گیا۔ اس طرح وہ تمام بھائیوں سے سبقت لے گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شاہجہان دارا شکوہ سے انتہائی محبت کرتا تھا۔ جب اس نے تخت نشینی کے لئے بھائیوں میں خاب فضا دیکھی تو اس نے دارا کو ۶۰ ہزار ذات اور چالیس ہزار سوار کا غیر معمولی عہدہ عطا کیا۔ اور سلطنت کے دیگر کلی اختیارات بھی دے دیئے تاکہ اس کی تخت نشینی کا راستہ ہموار ہو جائے۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شاہجہان کی دارا سے یہ انتہائی محبت بھی دارا کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی شاہجہان نے دارا کو بڑے سے بڑا عہدہ دیا مگر اُسے ہمیشہ اپنے نزدیک رکھا۔ کبھی اُس کو سلطنت کے انتظام اور دیگر امور سے

ذاتی واقفیت حاصل کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ اس کے صوبوں کا نظم ونسق اس کے مقرر کردہ قائمقام ہی سرانجام دیتے رہے۔ ذاتی تجربہ میں یہ خامی بھی اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ دارا کو شاہجہان سے جو قرب حاصل تھا۔ وہ دوسرے بھائیوں کے لئے رشک وحسد کا باعث بنا۔ اور وہ سب کے سب اس کے خلاف ہو گئے۔

تخت نشینی کے لئے جدوجہد :

شاہجہان کا عہد حکومت تقریباً تیس سال تک رہا۔ دولت کی فراوانی۔ تخت طاؤس، کوہ نور، تاج محل اور دیگر عمارتوں کی تعمیر، اور درباری شان وشوکت اور عظمت کے لحاظ سے یہ مغلیہ دور کا سنہری زمانہ تھا۔ مگر اس شاندار دور کا انجام انتہائی المناک اور اندوہگیں ہوا۔ آخری پانچ سال سلطنت اور عوام کے لئے تکلیف دہ اور پریشان کن تھے۔ شاہجہان ضعیف، کمزور اور بیمار تھا، دارا شکوہ بھائیوں کے متحدہ محاذ کے خلاف برد آزما تھا۔ اور سیواجی کے کھیل کھیلنے کے دن تھے۔

اس وقت شاہجہان کے چاروں بیٹے انتظام امور مملکت اور فنون جنگ میں ماہر ہو چکے تھے۔ ہر بھائی نے اپنے اپنے صوبے میں

دارا شکوہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ بھائیوں میں کشیدگی تو شروع سے چلی آ رہی تھی۔ صرف موقعہ کی تلاش تھی۔ چنانچہ شاہجہان کی بیماری کی خبر ملتے ہی تینوں بھائیوں نے دارا شکوہ کی مخالفت شروع کر دی۔ شجاع اورنگ اور مراد بخش میں اتحاد صرف دارا کی مخالفت کی بنا پر تھا۔ ویسے فریقین کے درمیان تاریخ میں کسی خاص قسم کے سمجھوتے، شرائط یا وعدوں کی کوئی تفصیلات نہیں ملتیں۔ بلکہ اس معاملہ میں تاریخوں میں اختلاف بھی ہے۔

شاہجہان بیماری کی شدت کی وجہ سے اپنے آپ کو چراغ سحری ہی سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے سلطنت کے بڑے بڑے عہدیداروں اور درباریوں کو بلایا اور ان کے سامنے دارا شکوہ کو ولی عہد مقرر کر دیا[1]۔ مگر ولی عہد مقرر کرنے سے پہلے ہی تمام معاملات سلطنت قابو سے باہر ہو گئے تھے۔

دارا شکوہ نے شجاع کے مقابلے میں سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کو ۲۲ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ سلیمان شکوہ نے شجاع کو بنارس کے نزدیک شکست دی۔ جے سنگھ کی فتنہ پردازیوں کی وجہ سے شجاع

---

[1] عمل صالح جلد سوئم ص ۲۶۳

کی مکمل سرکوبی نہ ہو سکی اور مونگیر کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ جے سنگھ قلعہ کے سامنے بے کار بیٹھا رہا۔ اور اسی دوران میں اورنگ زیب اور مراد نے مل کر جسونت سنگھ کو دھرمات پور کے مقام پر شکست فاش دی۔ اس کے بعد سلیمان شکوہ نے ساموگڑھ کی جنگ میں شریک ہونے کی کوشش کی۔ مگر جے سنگھ نے راستہ میں دیر کروا دی اور انہوں نے راستہ میں ہی شاہی فوجوں کی شکست کی خبر سنی اور جے سنگھ سلیمان شکوہ کو اکیلا چھوڑ کر باغی فوجوں میں شریک ہو گیا۔

شاہجہاں ان جنگوں کے دوران اپنے بیٹوں کو شفقت آمیز اور محبت پر در خطوط لکھتا رہا۔ مگر اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ جہاں آرا بیگم نے بھی اورنگ زیب کو ایک خط لکھا۔ مگر بے اثر ثابت ہوا شاہجہاں کی صلح کرانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں [۱]

دارا شکوہ ساموگڑھ سے شکست کھا کر دہلی پہنچا۔ اورنگ زیب نے اس کا تعاقب کیا تو دارا نے دہلی سے لاہور کی طرف فرار اختیار کیا۔ اسی دوران میں اورنگ زیب نے باپ کو نظر بند کیا اور مراد کو گرفتار کر لیا۔ شجاع یہ خبریں سن کر اورنگ زیب کے خلاف

---

[۱] عالمگیر نامہ صفحہ ۸۴ تا ۸۷۔

ہو گیا اور اس نے بنارس، جون پور اور الہ آباد پر قبضہ کر لیا۔ عالمگیر اور شجاع کی فوجوں میں کورہ کھاتم کے قریب جنگ ہوئی۔ شجاع شکست کھا کر بنگال کی طرف بھاگ گیا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ دارا دہلی سے فرار ہو کر لاہور پہنچ گیا تھا۔ یہاں اس نے جنگ کی تیاریاں بھی شروع کر دیں۔ داؤد خان اور سپہر شکوہ کی قیادت میں سلطان پور فوج بھی بھیجی۔ مگر بعد میں جنگ کا ارادہ ترک کر کے ملتان کا رُخ کیا۔ عالمگیر نے تعاقب جاری رکھا۔ دارا ملتان سے بھی بھاگ گیا۔

جب عالمگیر کو یہ معلوم ہوا کہ دارا کا ارادہ کابل جانے کا نہیں ہے اور اس کی حالت اب بہت کمزور ہو چکی ہے تو اس نے شیخ میر کو اس کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور خود شجاع کی سرکوبی کے لئے الہ آباد کی طرف واپس آ کر اُسے وہاں سے بنگال کی طرف بھگا دیا۔ شیخ میر نے مکمل طور پر دارا کا تعاقب جاری رکھا۔ اور یہ لشکر دارا کے پیچھے پیچھے سکھر، گھکر سے ہوتے ہوئے سیوستان پہنچا۔ یہاں عالمگیر کے پیغام کے مطابق شیخ میر قلعہ بھکر میں منتظم مقرر کر کے واپس روانہ ہوا۔

دارا شکوہ اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گجرات پر قبضہ کر کے کچھ پہنچ گیا۔ راجہ جسونت سنگھ کے حوصلہ افزا خطوط پڑھ کر

دکن کی راہ میں اجمیر کے مقام پہ ٹھہر گیا۔ مگر راجہ جسونت نے دارا کو طرف اس لئے بلوایا تھا کہ اُسے عالمگیر سے مزید مفید شرائط مل جائیں جے سنگھ کے ذریعہ اس کا یہ کام آسان ہو گیا۔ اور اس نے دارا کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور عالمگیر سے مل گیا۔ یہاں عالمگیر اور دارا کی فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ آخر کار اجمیر سے رات کی تاریکی میں دارا اپنے ساتھیوں کو لے کر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ عالمگیر نے یہاں فتح حاصل کرنے کے بعد راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کو دارا کے تعاقب پر روانہ کیا۔

دارا نے احمد آباد سے گجرات کا رُخ اختیار کیا پھر گجرات کی سرحد سے نکل کر کچھ سے ہوتے ہوئے بھکر کی راہ لی۔ اور یہاں سے بنگشوں کی ولایت میں گیا۔ اس قوم کے سردار مردانگی کے مشورہ کے خلاف افغان درندوں سے خوف کی وجہ سے دارا کے ساتھیوں نے ایران جانے سے انکار کیا اور ملک جیون زمیندار کے علاقہ میں جانے کا فیصلہ کیا۔ دارا نے ایک مرتبہ ملک جیون کی جان بخشی، شاہجہان سے کروائی تھی۔ مگر یہ بھی منافق ثابت ہوا۔ اور اس نے دارا کو بظاہر احترام کے ساتھ گھر اُتارا۔ مگر درپردہ دارا کے خلاف سازش کر کے اس کو گرفتار کر لیا۔ اور راجہ جے سنگھ اور بہادر خان

جو تعاقب پر مقرر تھے۔ ان کو اطلاع دے دی۔ چنانچہ ملک جیون اور بہادر خان ان قیدیوں کو لے کر دہلی پہنچے۔ دہلی میں دارا کا جلوس نکال کر اس کی تشہیر کی گئی اور آخر کار سلطنت کے معتبر لوگوں کے فیصلہ کے مطابق دارا شکوہ کو قتل کروا دیا گیا۔

دارا سیاسی اور جنگی چالوں کا ماہر نہ تھا اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس نے اس میدان میں ناکامی حاصل کی۔ اس لئے ان جنگی قصوں کے بیان سے دارا کی شخصیت کے کسی مفید پہلو پر روشنی نہیں پڑتی۔ دارا کا اصل میدان، علمی تحقیق، تصوف اور مذاہب عالم کی گتھیاں سلجھانا اور ادبی خدمات کرنا تھا۔

باب دوم

دارا اور مؤرخین قدیم

دارا شکوہ اجمیر کے مقام پر پیدا ہوا۔ سفینۃ الاولیا اور تزک جہانگیری کی روایت کے مطابق اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ شاہجہان کے ہاں اس وقت تک کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس نے خواجہ اجمیر کے ہاں دعا مانگی۔ اس کی دعا قبول ہوئی اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام دارا شکوہ رکھا گیا[1] اس طرح دارا کی پیدائش کے واقعہ ہی سے اس کا ایک تعلق صوفیائے کرام سے قائم ہو جاتا ہے۔

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص۹۴ تزک جہانگیری ص۱۳۰

وہ ملا شاہ قادری کا مرید و معتقد، سرمد اور میاں میر کے خرمنِ تصوف کا خوشہ چین تھا۔ اُسے تاجِ قیصری سے زیادہ دلق بوذری محبوب تھی، تعریفِ فقر میں لکھتا ہے ؏

"سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن"

غلط فہمیاں :

زندگی بھر اس نے فقر کے صحراؤں کی سیاحی میں گزار دی اور امورِ سیاست میں ناکام رہا۔ اس کی اس ناکامی کی وجہ سے اس کے عقائد بھی کھل کر اور تفصیل کے ساتھ عام لوگوں کے سامنے نہ آسکے اس لئے اس کے عقائد کے بارے میں تاریخوں میں مختلف نظریات ملتے ہیں۔ عام طور پر مؤرخین نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

- دارا شکوہ ہندوؤں کے مذہب اور آئین کی طرف مائل تھا۔
- برہمنوں، جوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت میں رہتا تھا۔
- ان کو مرشد کامل اور عارف بحق واصل سمجھتا تھا۔
- اپنشد کو کتاب کریم خیال کر کے پڑھتا تھا۔ اور اس کا ترجمہ کرتا تھا۔
- کمال اعتقاد کے سبب اس نے اطراف سے سنیاسی اور برہمن بڑی سعی سے جمع کئے تھے۔

• وہ اس بات کا معتقد تھا کہ ناقصوں کے واسطے تکلیف عبادت ہے۔

• دارا مسلمانوں کے ساتھ مسلمان، ہندوؤں کے ساتھ ہندو، عیسائیوں کے ساتھ عیسائی اور یہودیوں کے ساتھ یہود جیسا برتاؤ کرتا تھا۔ ساری عمر ہندو رہا اور مرتے وقت عیسائی ہوگیا۔

دارا شکوہ کی زندگی ہی میں اس کے عقائد پر اعتراضات کا یہ سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ دارا نے ان باتوں کے رد میں ایک کتاب "حسنات العارفین" لکھی۔ اس کتاب کی تمہید میں لکھتا ہے۔

"دل اہل سلوک اور طریقت کی کتابوں سے بالکل بھر گیا تھا۔ اور سوائے توحید کے کچھ اور منظور نہ تھا۔ اور وجد و ذوق سے اکثر کلمات حقائق و معارف نکلتے تھے اور پست فطرت، کم ہمت والے زاہد خشک کوتاہ بینی سے تشنیع و تکفیر کے درپے رہتے تھے۔ اس واسطے اس فقیر کے دل میں آیا کہ جو کچھ بڑے بڑے موحدوں، عارفوں صوفیائے کرام، علمائے عظام بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے سخنان بلند صادر ہوئے ہیں جنہیں متشابہات اور شطحیات کہتے ہیں۔ ان کو ترتیب دے۔"

غلط فہمیوں کے اسباب: دارا کے عقائد کے بارے میں غلط فہمیوں

کے کئی سبب ہیں۔

اولاً: دارا تخت سے محروم رہا۔ اس لئے خود اپنے حالات تفصیل سے نہ لکھوا سکا۔

ثانیاً: مغلیہ دور کے مؤرخین نے سارا زورِ قلم فتوحات اور سیاسی واقعات کی داستان سرائی میں صرف کر دیا اور ادبی و مذہبی حالات کے نقوش بالکل تشنہ چھوڑ دیئے۔

ثالثاً: مغلیہ دور کی تاریخ نویسی کے ساتھ ایک ستم یہ بھی ہوا کہ تاریخ نویسی کا کام بادشاہ کی طرف سے کسی [illegible] اچھے ادیب کے سپرد کیا جاتا تھا۔ یا یہ کام سلطنت کے بڑے بڑے منصب داروں کے سپرد ہوتا تھا۔ اس لئے یہ لوگ بادشاہ کے خلاف حالات لکھنے سے گریز کرتے تھے۔ بلکہ بادشاہ کی بے جا تعریف و ستائش کر کے انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور بادشاہ کے مخالفوں کے بارے میں باقاعدہ تعصب سے کام لیتے تھے۔ مزید برآں سلطنت کے نقائص بیان کرنے کی جرأت کرنے والے مورخین کی دل شکنی بھی کی جاتی تھی۔ جیسا کہ اکبر اور عبدالقادر بدایونی کے واقعات سے ظاہر ہے۔ جہانگیر نے تو ان کی لکھی ہوئی کتاب "منتخب التواریخ" کی اشاعت کو قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا۔

رابعاً : دارا کو دوسرے مغلیہ شہزادوں سے زیادہ مشق ستم بننا پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس کے ساتھ اس دور کی تلوار انصاف نہ کر سکی اس سے اس دور کا قلم کہاں تک انصاف کو برت سکتا تھا۔

مورخین بیانات (الف) عالمگیر نامہ

اورنگ زیب کے دربار میں سرکاری طور پر صرف یہی ایک تاریخ ترتیب دی گئی۔ جس کا مصنف منشی محمد کاظم، مرزا محمد امین منشی مصنف بادشاہ نامہ کالڑکا تھا۔ اس کے ادب وانشاء کے چند نمونوں کو دیکھ کر عالم گیر نے اسے اپنے عہد کے حالات لکھنے کے لئے مامور کیا۔ لیکن ابھی دس سال کے واقعات نہ لکھنے پایا تھا کہ عالمگیر نے دربار کے محکمۂ تاریخ نویسی کو ختم کر دیا۔ عالمگیر نامہ کے مقدمے میں اس کام کے ختم کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عالمگیر کی طبیعت پسند نہیں کرتی تھی کہ اس کے مفاخر و مکارم کی داستان گوئی کے لئے ایک سرکاری محکمہ قائم رہے۔ عالمگیر کے اس فعل سے صاف ظاہر ہے کہ تاریخ نویس حسب دستور غلو سے کام لے رہا تھا۔ اس لئے اس کی اپنی طبیعت نے بھی اسے پسند نہ کیا اور کام بند کروا دیا۔ اس کے دیباچہ میں یہ بھی درج ہے کہ عالمگیر نے اس کتاب کو لفظ لفظ سننے کے بعد اس کی

اشاعت کی اجازت دی۔

مصنف نے عالمگیر کے مخالفین کے بارے میں انتہا درجہ تعصب سے کام لیا ہے۔ مصنف اس کے مخالفین کا نام تک بھی بگاڑ کر لکھتا ہے مثلاً وہ داراشکوہ کو ہمیشہ دارا بے شکوہ، مراد کو نامراد اور شجاع کو ناشجاع وغیرہ لکھتا ہے۔

کتاب کے عنوانوں سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف نے دارا کے بارے میں تاریخ نویسی سے کہاں تک انصاف برتا ہے مثلاً عنوان ملاحظہ ہوں۔

صفحہ ۸۰ "ذکر محاربۂ عساکر منصور نزدیک بمستقر الخلافہ اکبرآباد با بے شکوہ، بے خرد مغرور و ہزیمت یافتن او۔"

"کلک بدائع ارقام بذکر مجلے از حال دارا بے شکوہ نکوہیدہ فرجام بعد از وصول او بہ پنجاب تمہید کلام می نماید۔"

اس کتاب میں زیادہ تر عالم گیر کے جنگی کارناموں کا ذکر ہے اور دارا کے بارے میں تھوڑا سا ذکو دارا کے قتل کئے جانے کے واقعات بیان کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ لکھتا ہے کہ عالمگیر نے مقتدر درباریوں سے دارا کے سیاسی معاملات کے بارے میں مشورہ کرنے کے بعد دارا کے قتل

کا فیصلہ کیا۔

تفصیلات کچھ اس طرح درج ہیں کہ جب ملک جیون کے ہاتھوں دارا کے گرفتار ہونے کی اطلاع دہلی پہنچی تو لوگوں نے ملک جیون کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ جب ملک جیون دارا کو خضر آباد میں قید کروانے کے بعد دوسرے دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ دہلی کے بازاروں سے گزرا تو (بقول مورخ) اوباش آدمی اور دارا شکوہ کے ہوا خواہ، ہر کوچہ و بازار کے اہل حرفہ و پیشہ اور ہر قوم کے تماشائی (بے پناہ ہجوم) ایک دوسرے کی تقلید کر کے جمع ہوئے۔ ملک جیون اور اس کے ساتھیوں کو گالیاں دینے لگے اور کوڑا کرکٹ، نجاست آلود اینٹ پتھر ان پر پھینکے، کوٹھوں پر سے عورتوں تک نے غلاظت اور خاک دھول پھینکی کئی آدمی مجروح ہو کر ہلاک ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ ملک جیون بڑی مشکل سے جان بچا کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس دن اگر کوتوال شہر اپنے لشکر سمیت ملک جیون کی امداد کے لئے نہ آتا تو ملک جیون کے ہمراہیوں میں سے ایک کی جان بھی سلامت نہ رہتی۔

ان تفصیلات سے دارا شکوہ کی ہر دلعزیزی اور دارا حکومت

کے لوگوں میں مقبول ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اگر دارا ایسا ہی ملحد کافر تھا تو اس کے حال زار پر لوگوں کو اتنی ہمدردی نہ ہوتی کروہ اس کے گرفتار کرنے کی جان تک کے دشمن ہوجاتے۔

(ب) مآثر عالمگیری :

اس کا مصنف محمد ساقی خاں مستعد تھا۔ عالمگیر نے اس کو وقائع نگار کے عہدہ پر مامور کیا تھا جس کی وجہ سے اس کو ہر وقت بادشاہ کا قرب حاصل رہا۔ یہ کتاب اس نے عالمگیر کی وفات کے بعد سرکاری کاغذات سے مرتب کی۔ عالمگیر کے دورِ حکومت کے شروع کے دس سال کے حالات اس نے سرکاری تاریخ عالمگیر نامہ سے مختصر کر کے لکھ دیئے ہیں۔

اس نے یہ کتاب بہادر شاہ کے وزیر عنایت اللہ خان کی فرمائش پر لکھی۔ کتاب میں مصنف نے دارا شکوہ کے بارے میں ذاتی معلومات سے کام نہیں لیا۔ بلکہ منشی محمد کاظم کی بیان کردہ معلومات ہی کو نقل کر دیا ہے۔

(ج) واقعات عالمگیری :

کتاب کا مصنف سید میر عسکری تھا۔ میر عسکری حضرت برہان

الدین رازی کا مرید تھا۔ اسی لئے رازی تخلص کرتا تھا۔ وہ اطرافِ خراسان کا رہنے والا تھا۔ شاہجہان کے عہد میں ہندوستان آیا اورنگ زیب کے ساتھ دکن میں خلعت دار مقرر ہوا۔ یہ اورنگ زیب کے ایام شہزادگی کے وقت ہی سے اس کا خاص رفیق تھا۔

ایام شہزادگی میں اورنگ زیب کی ایک کنیز وفات پا گئی عالمگیر اس سے اکثر گانے سنا کرتا تھا۔ اس کی موت کے صدمہ کو غلط کرنے کے لئے عالمگیر شکار پہ نکل پڑا، میر عسکری بھی ساتھ تھا۔ علیحدگی میں میر عسکری نے اورنگ زیب سے غم کی شدت میں شکار کھیلنے کا مطلب پوچھا۔ اورنگ زیب نے یہ شعر پڑھا ؎

نالہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست
در بیاباں می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

میر عسکری نے یہ شعر سن کر عرض کیا کہ ؎

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود
ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

اورنگ زیب پر یہ سن کر رقت طاری ہوگئی اور وہ اس کو بار بار پڑھتا رہا۔[1]

---

[1] مراۃ الخیال (شیر خاں لودھی) صہ ۲۶۳

اورنگ زیب سے گہرے تعلقات کے سلسلے میں ایک اور واقعہ بھی ہے۔ جب اورنگ زیب دکن سے دارا کے ساتھ لڑنے کے لئے چلا تو اُس نے قلعہ دولت آباد میں اپنے اہلِ دعیال کو میر عسکری کے پاس چھوڑا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر عسکری اتنا قابل اعتماد دوست تھا کہ اس کو اتنے اہم کام کے لئے موزوں سمجھا گیا۔

علاوہ ازیں جب اورنگ زیب تخت پر بیٹھا تو اس نے اس کو عاقل خاں کا خطاب دیا۔ اور اسے دوآبہ کا فوجدار مقرر کیا پھر عاقل خاں داروغۂ حرم خاص ہوا۔ اس عہدے پر خاص الخاص افسر کو مقرر کیا جاتا تھا۔ ۱۰۸۰ھ میں بخشی دوم کے عہدہ پر مامور ہوا۔ ۱۰۹۱ھ میں دہلی کا صوبہ دار بنا اور اسی عہدہ پر انتقال کیا۔

اورنگ زیب کے ساتھ عاقل خاں کے ان تعلقات اور عالمگیر کی نوازشات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف عالمگیر کو کتنا عزیز تھا اور وہ اورنگ زیب کی کتنی ستائش و تعریف کرتا تھا۔ مولانا شبلی کی کتاب "عالمگیر پر ایک سرسری نظر" زیادہ تر اسی کتاب پر مبنی ہے۔ دارا کے عقائد کے بارے میں مآثر عالمگیری خاموش ہے۔ البتہ اس کتاب میں دارا کی سیاسی غلطیوں اور جنگی ناکامیوں کا ضرور

ذکر ملتا ہے۔

(۷) وقائع نعمت خاں عالی :

مصنف کا نام مرزا محمد علی اور عالی تخلص تھا اورنگ زیب کے ملازمین خاص اور معتمد امیروں میں سے تھا۔ ۱۱۰۳ھ میں اس کو نعمت خاں کا خطاب ملا اور باورچی خانہ کا داروغہ مقرر ہوا۔ اس کے بعد اسے "مقرب خاں" کا خطاب ملا اور وہ جواہر خانہ نگین و دولت کا داروغہ مقرر ہوا۔ شاہ عالم کے زمانے میں دانشمند خاں کا خطاب ملا۔ اور بہادر شاہ نامہ لکھ رہا تھا کہ وفات پاگیا۔ یہ ہجو لکھنے میں بہت تیز تھا۔ دریدہ دہن تھا اور اس کی زبان سے کوئی بھی محفوظ نہ رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کتاب میں اورنگ زیب کی ہجو ملیح بھی لکھ ڈالی۔ لیکن یہ کتاب بھی دارا کے عقائد کے بارے میں خاموش ہے۔

(۸) رقعات عالمگیری :

اس کتاب میں عالمگیر اور مراد اور عالمگیر کے فرزند محمد معظم کے نام خطوط سے دارا شکوہ کے عقائد اور حالات کے بارے میں جو

معلومات حاصل ہوتی ہیں. وہ بھی یکطرفہ نکتہ نگاہ کا نتیجہ ہیں۔ اس
کی بناء پر بھی دارا کے عقائد کے بارے میں کوئی نتیجہ نکال لینا انصاف
پر مبنی معلوم نہیں ہوتا۔ ویسے بھی اس کتاب میں دارا کے عقائد کی
نسبت اس کے معاملات سیاست پر زیادہ مواد ملتا ہے مثلاً
۴۷، ۵۳ اور ۵۴ دفعات میں عالمگیر نے محمد معظم کو وضاحت سے بتایا
کہ دارا اچھوں کا دشمن اور بُروں کا دوست تھا۔ وہ کام کے آدمیوں
سے بے رخی اور نا اہل آدمیوں کو نوازا کرتا تھا اس لئے وہ ناکام ہوا
اس کے علاوہ مراد کے اورنگ زیب کے نام ایک خط میں مراد نے دارا
کو ملحد لکھا ہے مگر اس کے لئے کوئی دلائل نہیں دیئے مراد لکھتا ہے۔
"ملحد (داراشکوہ) خود تقلید خط اقدس شاہجہانی از مرتبہ کمال
رسانیدہ برفرامین دستخط میکنند"
اس فقرہ میں دارا پر یہ بھی الزام لگاتا ہے کہ دارا نے اپنا طرز
تحریر بالکل شاہجہان جیسا بنا لیا ہے اور شاہجہان کے نام سے خود ہی
احکام جاری کرتا تھا۔ یہ بات دارا اور شاہجہان کے طرز تحریر کا
ملاحظہ کرنے کے بعد غلط معلوم ہوتی ہے۔ ویسے بھی یہ الزام عقل سلیم
کے لئے قابل قبول نہیں۔ اس کے علاوہ مولانا غلام محمد مصنف تذکرہ
خوشنویساں اپنے اس تذکرے کے پر داراشکوہ کے طرز تحریر کو

آقا عبدالرشید کی مثل قرار دیتا ہے۔ دارا ان کا باقاعدہ شاگرد بھی تھا۔ تذکرہ میں لکھا ہے۔

"دارا شکوہ پسر شاہجہان بادشاہ شاگرد عبدالرشید آقا است باوجود اشغال امور شہزادگی و دیگر علوم۔ بہ درجۂ آقا عبدالرشید شاید کسی مثال او نوشتہ باشد"[1]

جہاں تک مراد کا دارا کو ملحد لکھنے کا معاملہ ہے اس الزام پر غور کرنے سے پہلے اگر مراد کے کردار پر الگ نظر ڈال لی جائے تو اس الزام کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

(۹) سفر نامہ ڈاکٹر برنیر:

اکثر مورخین نے ڈاکٹر برنیر کے بیان کو سنجیدہ اور دقیع نہیں مانا مصنف بزم تیموریہ ہے کہ:۔

"برنیر نے شہزادوں کی ابتدائی تعلیم کے متعلق اورنگ زیب کی زبانی ایک دلچسپ اور پر مغز تقریر نقل کی ہے لیکن برنیر کا بیان عموماً سنجیدہ اور دقیع نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم اس کو نظر انداز کرتے

---

[1] تذکرہ خوشنویساں ص۴۲

ہیں خصوصاً جب ہم یہ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب کی اس تقریر کا مخاطب اس کا ایک استاد ملا محمد صالح ہے جس کا نام معاصر مستند تاریخوں میں کہیں نہیں آتا۔" اس بیان میں یہ فقرہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ "برنیر کا بیان عموماً سنجیدہ اور دقیع نہیں ہوتا؎

مشہور انگریز مورخ الفنسٹن اپنی کتاب "دی ہسٹری آف انڈیا" پر اس مصنف کو غیر ثقہ بیان کرتے ہوئے لکھتا۔:

I have seldam used Burnier's delightful narrative, Except when he was an Eye witness؎

مولانا شبلی نے اپنی کتاب "اورنگ زیب عالمگیر پر سرسری نظر" میں برنیر کے لکھے ہوئے کئی ایک واقعات کو دلائل اور حقائق کے ساتھ غلط قرار دیا ہے۔

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ اپنی کتاب تاریخ ہندوستان میں مراد بخش کے قلعہ گوالیار میں مقید ہونے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے برنیر کے سیاحت نامہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

؎ بزم تیموریہ ص۲۹۱ ؎ الفنسٹن ص۵۹۶

"ہندوستان میں جو ارباب دانش اپنے ملک کے حال سے خوب واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ امر اس ملک کی عادت میں داخل ہے کہ بعض ذہین اور طبائع واقعات کو ان کے وقوع کے وقت اپنے خیالات کے موافق نہایت فصاحت اور بلاغت سے جھوٹ سچ کو شیر و شکر کی طرح ملا کے بیان کرتے ہیں کہ سننے والوں کو ان میں بڑا مزا آتا ہے۔ ان کا انداز بیان و طرز ایسا ہوتا ہے کہ بہت راوی ان کے بیان غیر واقعی کو واقعی جان کر پھر واقع امر پہ یقین نہیں کرتے۔

ڈاکٹر برنیر کو کوئی ظریف ایسا مل گیا ہے۔ یہ بے چارہ اجنبی اس کی باتوں کو سچ جانتا ہے۔ اور سفر نامہ میں لکھتا ہے اور اپنے وطن کا لال بجھکڑ بنتا ہے جو یہاں کے حال سے بالکل لاعلم ہیں۔ اس لئے ہر واقعہ میں ایک دو باتیں ایسی گھڑتا ہے کہ جن کی کچھ اصل نہیں ہوتی اور پھر ان پہ رائے زنی کرتا ہے جو جہالت و لاعلمی پہ مبنی ہوتی ہے"[1]

مورخین کے ان بیانات کے بعد اس کتاب کی حقیقت

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ہشتم ص۵۴۸، ص۵۵۱

واضح ہوجاتی ہے اور زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ویسے اس کتاب میں دارا کو آزاد عقائد کا مالک اور اس کے علاوہ عیسائی پادریوں اور عیسائیت کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل لکھا ہے۔ اس مضمون میں آگے چل کر اس بیان کی حقیقت بھی واضح کردی گئی ہے۔

(ط) سٹوریا ڈو موگور:

اس کتاب کے مصنف کو اکثر مؤرخین نے GOSSIP MONGER یعنی گپ باز کے نام سے یاد کیا ہے۔ سرکار اپنی کتاب "اورنگ زیب" کے حاشیوں میں اکثر جگہ اس بات سے اتفاق کرتا ہے۔ اور اس کتاب میں لکھے ہوئے واقعات کو بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ ویسے ڈو موگور دارا کا اصول یہ تھا کہ "با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام"

حوالہ کے لئے اس کتاب کے انگریزی سے ملاحظہ ہو۔

DARA WAS VERY FOND OF EUOROPEANS, ADDED TO THIS, AS EVERY-ONE KNEW HE HELD NO RELIGION WHEN WITH MUHAMMADANS HE PRAISED THE TENTS OF MUHAMMAD, IN THE SAME WAY WHEN WITH HINDUS HE PRAISED

HINDUISM. THIS IS WHY
AURNGZEB STYLED HIM
KAFIR

[1]

اس کتاب میں دارا کے پادریوں، یہودیوں اور دوسرے
یورپین مذہبی مبلغوں سے انتہائی گہرے اور دوستانہ تعلقات
بیان کئے گئے ہیں اور اسے ان سے بہت زیادہ متاثر بیان
کیا گیا ہے۔ مگر اس کتاب میں دارا کے ان عقائد کے بارے
میں صرف دعوے ہی موجود ہیں۔ تفصیلات اور دلائل سے یہ
کتاب خالی ہے۔

---

[1] سٹوریا ڈو موگور ص۲۲۳

باب سوم

دارا کے عقائد ذاتی تصانیف کی روشنی میں

اب داراشکوہ کی لکھی ہوئی کتابوں سے اس کے عقائد کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے اور دارا کے عقائد کے بارے میں ان مورخین کی رائے بھی پیش کی جاتی ہے جنہوں نے دارا کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور دارا کی سوانحیات پر تحقیقی کام کیا ہے۔ سب سے پہلے دارا کی لکھی ہوئی کتابوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(الف) سفینۃ الاولیاء

یہ کتاب عین جوانی کے عالم میں یعنی ۲۴، ۲۵ برس کی عمر
میں ۱۶۳۹ء میں لکھی گئی۔ کتاب سے داراشکوہ کی زندگی کے
اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ اُسے بزرگانِ دین اور صوفیائے
کرام سے خاص اُنس اور محبت تھی اور اس نے ان کے
حالات زندگی کا گہری دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے۔ اس میں
داراشکوہ نے اپنے آپ کو سلسلۂ قادریہ سے متعلق بیان کیا
ہے۔ داراشکوہ کو سلسلۂ قادریہ سے اتنا زیادہ انس تھا کہ
اُس نے اپنا تخلص بھی قادری رکھ لیا تھا۔

کتاب میں دارا نے صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی تاریخ
پیدائش اور تاریخ وفات کا خاص طور پر تحقیق کے ساتھ تذکرہ
کیا ہے اور کتاب کو باقاعدہ تاریخی اعتبار سے ترتیب دیا
ہے۔ اوّل دارا نے سب سے پہلے رسول مقبول صلی اللہ علیہ
والہٖ وسلم کا ذکر پاک کیا ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین
حضرت حسن وحسینؓ کے حضور عقیدت کے پھول پیش کئے ہیں
اور اولیائے اللہ کے حالات قلمبند کئے ہیں جن میں معروف صحابہؓ

چار اماموں کے علاوہ سلسلۂ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کردیہ)
سہروردیہ کا خاص طور پر ذکر موجود ہے۔ اس کے بعد ایک
باب متفرق سلسلوں کے بزرگان دین کے بارے میں ہے۔
آخری ابواب میں ازواجِ مطہرات النبی صلعم بنات طاہرات
آنحضرت صلعم اور راہ سلوک میں اعلیٰ مقامات حاصل کرنے
والی خواتین کا ذکر ہے۔

اس کتاب کی رو سے دارا کو حنفی المشرب سلسلہ قادریہ
سے انتہائی دلچسپی رکھنے والا بلند پایہ صوفی کہا جا سکتا ہے۔
اس کے بعد کی کتابوں میں دارا کی کسی تحریر سے اس کے ان
عقائد کی تردید نہیں ملتی اور نہ اس نے کسی جگہ ان عقائد سے
قطع تعلق ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ اس کتاب کے آخر میں اس
کی یہ دعا بھی موجود ہے جس میں اُس نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ
ان بزرگوں کے طفیل اس کا مستقبل اچھا کرے اور اسے ان کی
بتائی ہوئی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔

(ب) سکینۃ الاولیاء :

دارا کی یہ دوسری تصنیف سکینۃ الاولیاء ہے۔ یہ کتاب ۱۰۵۲ھ

میں لکھی گئی۔ اس وقت دارا کی عمر ۲۸ برس تھی۔ کتاب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دارا کا تصوف سے شغف بڑھ رہا تھا۔ دارا نے اس کتاب میں اپنے پیر لسان اللہ ملا شاہ محمدؒ اور ان کے مرشد میاں میر المعروف ملا جیو، ان کے خاندان اور دیگر بہت سے مریدوں کے حالات درج کئے ہیں۔

اس میں دارا نے تصوف میں اپنے بلند مقام ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ عرفان اور سلوک میں جو منزلیں دوسرے لوگوں کو مہینوں اور برسوں میں حاصل ہوتی ہیں وہ اُسے دنوں میں اور مہینوں میں نصیب ہو گئیں۔ دارا نے ملا جیو اور ملا شاہ محمد کی کرم نوازیوں، ان کی خاص عنایات اور دارا کے ساتھ ان کے انتہائی پیار اور محبت کا بیان کثرت سے کیا ہے[1]۔ اس نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ان بزرگوں نے اس کو جو کچھ ممکن تھا وہ عطا کر دیا اور اس نے ثابت کیا ہے کہ اگر مرشد کی خاص نظر ہو جائے تو راہ سلوک کی منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ ای[illegible] کے خاص میلان کی وجہ سے وہ صرف تصوف کے حیدوں کا ادی[illegible]

---

[1] سکینۃ الاولیاء صالہ، ۴۲، ۴۳۔

تھا اور اس میدان میں اس نے جتنی کوشش کی اس کی تفصیلات اس کتاب میں جا بجا ملتی ہیں۔

مرشد نے دارا کی شان میں جو ایک غزل بھی لکھی وہ بھی کتاب میں درج ہے چند شعر ملاحظہ ہوں[1]

صاحب قران اول و ثانی قرین حشمت اند
دارا شکوہ ما شدہ صاحبِ قران دل
اے بے خبر زعالم راز نہانِ دل،
روزے شود کہ تو بشوی ہمز بان دل
آخر ز کائنات متاع دو کون را
کرد ابد ست خود ز متاع دکانِ دل

دارا نے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ اُسے مرشد کی طرف سے مریدوں کو روحانی تعلیم دینے کی اجازت بھی مل گئی تھی مگر عُلماء نے اسے اس چیز سے باز رکھا۔ نیز ملا شاہ نے کشمیر جاتے وقت دارا کے سپرد پیر بھائیوں کی تعلیم کا کام کیا کیونکہ وہ ان سب میں افضلیت حاصل کر گیا تھا۔ اور ملا شاہ کا خیال تھا کہ اگر دارا کو تخت حاصل ہو گیا تو قادری سلسلہ کو ہندوستان میں انتہائی عروج حاصل ہو گا۔

---

[1] حق نما صفحہ ۸۔

داراجن مختلف عبادات، اذکار اور ریاضتوں میں مشغول رہتا تھا ان کا ذکر بھی اس کتاب میں درج ہے اور ص ۱۱۹، ۱۲۰ پہ تو دارا نے یہ بھی لکھا کہ ہے ضبطِ نفس کی اُسے اتنی مشق تھی کہ وہ مکمل رات میں صرف دو سانس لیا کرتا تھا۔

دارا نے اپنے ذکر کے اندر اپنے سلسلے کے بزرگوں کے حالات اور تصوف کے فروری مسائل، ضرورت مرشد، تلاش مرشد کا طریق، اشتیاق سماع اور رویت باری تعالیٰ پر بھی روشنی، ڈالی ہے اور اس لحاظ سے تصوف کے طلباء کے لئے یہ بہت مفید کتاب ہے۔ اس میں جن بڑی بڑی کتابوں سے حوالے دیئے ہیں اس سے اس کے وسیع مطالعہ اور دین سے دلچسپی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ چند ایک کتابوں کے نام یہ ہیں۔

کشف المحجوب (ص۵) مجمع البلدان ص۱۴۱، صحیح مسلم ص۲۴ مشکوٰۃ ص۲۵، بحر الحکایۃ ص۶۳، تفسیر سلیمانی ص۶۳، تکملا ص۸۱، تفسیر حسینی ص۱۳۵، تفسیر الجنتری ص۶۴ اور فصل الکتاب ص۶۵ وغیرہ۔

ان معلومات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۲۸ برس کی عمر تک دارا کے عقائد کیا تھے اور اس کی دینی مصروفیات کیا تھیں اور

اُسے اولیائے کرام سے کتنی عقیدت تھی اور اُسے سلسلہ قادریہ سے کتنا عشق تھا۔

(ج) رسالہ حق نما :

دارا کی تیسری تصنیف ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ حق و عرفان کی تلاش میں مختلف مقاماتِ سلوک سے گذرا تھا۔ دیباچہ میں اس نے اس کو تسلیم کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ آغازِ جوانی میں جب کہ طلب دامن گیر تھی اور مشائخ کے حالات و مقامات کا متمنی تھا ایک کتاب اولیائے کرام کے بارے میں لکھی جس کا نام "سفینۃ الاولیا" رکھا۔ اس کے بعد جب اس گروہ کے سلوک و مقامات کے اطوار سے واقف ہوا تو ایک کتاب تلاش حق کے طریق اور اپنے مشائخ کے کمالات کے بارے میں لکھی اس کا نام "سکینۃ الاولیا" رکھا اور اس وقت کہ حق تعالیٰ نے عرفان و سلوک اور توحید کے دروازوں کو میرے دل پر کھولا ہے اور اپنے خاص فیوضات دیئے ہیں وہ اس رسالہ میں رقم کئے گئے ہیں[1] ۔ اسی دیباچہ میں اس نے ان

ا۔

خاص فتوحات و فیوضات کے حاصل کرنے کے بارے میں لکھا ہے
کہ ذات باری تک پہنچنے کے دو طریق ہیں۔ ایک مرشد کی نظر سے
اور دوسرے محنت و مشقت، مجاہدہ و ریاضت اور سلف
کے بنائے ہوئے طریق پر چلنے سے، اس نے اپنے بارے میں
لکھا ہے کہ وہ پہلے گروہ سے تعلق رکھتا ہے لکھتا ہے کہ یہ
نیاز مند درگاہ حمدی محمد دارا شکوہ حنفی قادری اس گروہ میں
سے ہے کہ یجبتھم (وہ ان کو دوست رکھتا ہے) کے فضل و
کرم سے انتہائی ریاضت و مجاہدہ کے فقیر بزرگوں کی نظر کامل
کی تاثیر نے اُسے مطلب تک پہنچا دیا۔ اور جب اس فقیر نے عرفان
و توحید کی باریکیوں کو ایک ایک کر کے جان لیا۔ تب اس کتاب
کے لکھنے کے لئے قلم اٹھایا اور اس کتاب کا نام بھی دوسری
تصنیفات کی طرح قرآن حکیم سے فال نکال کر "حق نما" رکھا۔

اس کتاب میں بھی دارا نے اپنی مذکورہ کتابوں میں درج
شدہ عقائد کی تائید کی ہے۔ راہ سلوک طے کرنے والوں کے لئے
رہنمائی کی ہے۔ لکھتا ہے جو شخص کامل مرشد کی شرف صحبت تک
نہ پہنچا ہو اس کو کامل شناخت نہ ہوئی ہو وہ اس رسالے
میں بتائے گئے راستہ پر چلے تو معرفت الہٰی پا جائے گا، اور

معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے عالم ناسوت، عالم جبروت اور
عالم لاہوت سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے لئے ضروری ہدایات
بیان کی ہیں۔ ان ہدایات سے دارا کے عقائد کے بارے میں یہ پتہ
چلتا ہے۔ سلطان الاذکار کا شغل، عالم جبروت میں ناسوتی اور
ملکوتی نقوش سے خالی ہو کر بیٹھنا اور ذات وصفات اور وحدت و
کثرت میں یکتائی کی نعمت کا پانا ان عبادات کو وہ تصوف کے
مختلف مقامات سے گزرنے کے لئے ضروری سمجھتا تھا اور اس
کتاب کی آخری رباعی سے بھی اس کے قادری مسلک سے
عقیدت رکھنے کا ثبوت ملتا ہے ؎

ایں رسالہ حق نما باشد تمام
دو ہزار و پنجہ و شش شد تمام
ہست از قادر بداں از قادری
آنچہ ما گفتیم فافہم والسلام

(د) حسنات العارفین:

یہ کتاب ۱۰۶۲ھ میں لکھنی شروع کی تھی اس وقت اس کی
عمر ۳۸ برس تھی اور چالیس برس کی عمر میں کتاب مکمل ہوئی

یہ دارا کی چوتھی تصنیف ہے۔ دارا کی ان چاروں تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا چالیس برس کی عمر تک اولیاء کرام اور سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کی زندگی کے حالات لکھنے اور عرفان و سلوک کے مسائل کی تلاش میں اور اہل طریقت کے بتائے ہوئے مجاہدوں اور ریاضتوں میں مصروف رہا۔ دارا کے وجد و ذوق کی یہ کیفیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ عشق و مستی میں وہ ایسے ایسے کلمات کہہ جاتا تھا جو اہل شریعت کے نزدیک قابل گرفت تھے۔ اعتراضات شروع ہو گئے۔ چنانچہ دارا نے اس کتاب میں ان اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کے دیباچہ میں دارا نے اس کتاب کے ترتیب دینے کی بھی یہی وجہ بیان کی ہے اور اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو کلمات وہ کہتا ہے ان کا جواز بزرگوں کے اقوال میں ملتا ہے۔ کتاب میں دارا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی۔ اعتراضات کے جواب میں بزرگوں کے اقوال درج کر دیئے ہیں کتاب کے آخر میں اس چیز کا اعتراف کیا ہے کہ بعض لوگوں نے اُسے ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے اپنی ذاتی رائے بیان کرنے کی بھی فرمائش کی تھی۔ اُس نے کہا کہ میری شرط یہ ہے کہ تمام

بزرگوں کی شطحیں یہی ہیں۔
دارا نے نہ صرف صوفیائے کرامؒ اور علمائے عظامؒ بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایسے اقوال بھی لکھے ہیں جو اس کے خیال میں شطحیات کے ذیل میں آتے ہیں۔ دارا نے بتایا ہے کہ توحید و معرفت کی راہ میں ایک ایسا بے خودی کا مقام بھی آجاتا ہے جب سالک اس قسم کی باتیں کرنے لگتا ہے جو بظاہر مذہب اور ایمان کی منافی ہیں لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں ہوتیں، اس لحاظ سے دارا اپنی باتوں کو بظاہر شریعت کے خلاف تسلیم کرتا ہے۔ اور ہر آدمی کو ان باتوں سے بچنے کی تلقین بھی کرتا ہے اور ان باتوں کو صرف خاص حالت میں اور خاص قسم کے لوگوں کے لئے جائز قرار دیتا ہے۔ دراصل ہمہ اوستی تصوف پر ایمان رکھنے والے لوگ جو باتیں کرتے ہیں وہی باتیں دارا نے اس میں درج کر دی ہیں۔ ہمہ اوستی خیالات کے علاوہ کسی اور نظریات یعنی ہندومت، عیسائیت یا یہودیت یا کسی، اور طریق کی دارا نے اس کتاب میں کوئی حمایت نہیں کی۔ دارا نے کتاب کے آخر میں عرفان و سلوک کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور اسے زندگی کا واحد نصب العین قرار دیتے ہوئے

مندرجہ ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے۔

"ومن کان فی ھذہٖ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ"

یعنی جس نے خدا کو اس جگہ نہ پایا وہ اسے آخرت میں بھی نہ پائیگا۔
آیت کی شرح دارا نے ایک غزل میں خود ہی کی ہے۔

غزل

ہر کہ اینجا شناخت کورا برد

ہر کہ خود را بیاخت اورا برد

ہر کہ پائے خمے گرفت دنشست

ساقی و بادہ و سبو را برد

آنکہ زیں سر نیافت آگاہی

رفت در خاک و آرزو را برد

و آنکہ در خویش جست اورا

رفت باخویش جستجو را برد

قادری یار خویش در خود یافت

خود نکو بود کاں نکو را برد

(۷) مجمع البحرین:

یہ مختصر رسالہ تقابلِ ادیان کے طالب علموں کے لئے

نہایت مفید ہے۔ اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تصوف کی
جو اصطلاحات فارسی میں مستعمل ہیں ہندی زبان میں ان کے
ہم معنی الفاظ فراہم کیے جائیں۔ رسالے میں سلسلہ قادریہ کے
تصوف کے مطابق ہندوؤں کے ہاں جو عقائد موجود ہیں ان
کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ رسالہ ذات باری تعالیٰ
رسول کریمؐ اور بزرگان اسلام کی تعریف سے شروع کیا گیا
ہے۔ اس میں ہندو بزرگوں کی تعریف موجود نہیں۔ بلکہ رسالہ
کے بارھویں باب میں نبوت اور ولایت کا بیان کرتے
ہوئے آنحضرتؐ سے لے کر اپنے مرشد ملا شاہ تک تمام خلفاءؓ
صحابۂ کرام، اولیائے کرام کے ہی نام درج کیے ہیں اور ان
لوگوں ہی کو راہ راست پر بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ نبوت
جامع حضور علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی طرح
ولایت جامع آنحضرت کی امت کے کامل اولیاء کرام کے
ساتھ مخصوص ہے۔ اس رسالہ میں دارا نے یہ بتانے کی
کوشش کی ہے کہ صوفیائے کرام اور جوگیوں میں راہ حق کی تلاش
میں کیا کیا چیزیں مماثلت رکھتی ہیں۔ اور کہاں کہاں صرف لفظی اختلافات
اور نزاع سے اور صوفیائے اسلام اور جوگیان ہنود معرفت الٰہی

یہاں کہاں تک متفق ہیں اور اس رسالہ کے دیباچے میں اپنی اس کوشش کی واحد وجہ بیان کرتے ہوئے خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ، کا یہ قول بیان کیا ہے۔

" اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کوئی بہت بڑا مجرم کافر توحید کے متعلق نغمہ سرائی کر رہا ہے تو میں ضرور بضرور جا کر اس کافر کا نغمہ توحید سنوں اور اس کا ممنون احسان بن جاؤں "

دارا نے مسلمانوں کے تصوف کے مطابق جو باتیں ہندوؤں کے ہاں ملتی ہیں وہ اس رسالہ میں درج کر دی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ رسالہ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔ کتاب میں ہندو مالا (HINDI MYTHOLOGY) کی خاص خاص باتوں کو بھی کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ سیرۃ المتاخرین کا مصنف لکھتا ہے کہ یہی رسالہ دارا کے قتل کا موجب بنا۔ یہ رسالہ مختلف علماء کے سامنے رکھ دیا گیا تھا جس کی بناء پر انہوں نے فتویٰ کفر و قتل صادر کر دیا تھا [1]

اس رسالہ کے ایک باب کا خلاصہ نمونہ کے طور پر پیش

---

[1] سیرۃ المتاخرین ص ۳۰۴

کیا جاتا ہے۔ تاکہ دارا کے اصلی عقائد اجاگر ہو سکیں۔ پہلے باب میں عناصر کا بیان ہے۔ دارا لکھتا ہے کہ ماننا چاہیئے کہ عناصر پانچ ہیں۔ تمام مادی مخلوقات انہی پانچ عناصر سے ظہور پذیر ہوئی ہے وہ عناصر یہ ہیں۔

(۱) عنصر اعظم، (۲) ہوا، (۳) آتش، (۴) آب، (۵) خاک۔

ان پانچوں عناصر کو ہندی زبان میں "پانچ بھوت" کہتے ہیں۔ (۱) آکاس (۲) سانی (۳) تیج (۴) جل (۵) پرتھی۔

اس کے بعد ان اصطلاحات کی تشریح سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ اصطلاحات ہم معنی ہیں۔ تمام رسالہ میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ دیباچے کے علاوہ مندرجہ ذیل بیس مضامین پر اس رسالہ میں بحث شامل ہے۔ عناصر، حواس، شغل، صفاتِ الٰہی، روح، ہوا، چار عالم، آواز، نور، دیدار الٰہی، اسمائے الٰہی، نبوت اور ولایت، جبالت، آسمان، زمین، زمین کی تقسیم، عالم برزخ، قیامت، مکتی یعنی نجات۔

مختصراً مجمع البحرین دارا کے نزدیک توحید کے سمندر کے دھارے ملانے کی کوشش ہے اور تقابلِ ادیان کے میدان میں

دارا کی اس کوشش کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے پروفیسر محفوظ الحق نے اس رسالے کو بہت ہی دقت نظر کے ساتھ اڈٹ کرکے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیا ہے۔

باب چہارم

دارا اور سرِ اکبر

دارا کی تصانیف میں اہم کتاب سرّ اکبر ہے۔ اس کے عقائد کے ارتقا میں اس کتاب کا درجہ محتاج بیان نہیں اس لئے ضروری ہے کہ دارا کی اس کتاب کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا جائے۔

یہ کتاب، اپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے دارا کے نام اس کے علاوہ کچھ تراجم کی کتابیں بھی منسوب ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ دارا عالم و فاضل ہونے کے علاوہ علمی

کوششوں کی سرپرستی بھی بہت کرتا تھا اس لئے بعض مصنفین نے اپنی کتابیں دارا کے نام منسوب اور معنون کر دیں۔ نور الدین محمد بن عبداللہ عین الملک نے طب پر ایک کتاب لکھی اور اس کا نام طب داراشکوہی یا علاجات داراشکوہی رکھ دیا۔ ابراہیم مسکین نے اپنی کتاب "اقوال واصلی" کو داراشکوہ کے نام سے معنون کیا۔

سید صباح الدین عبدالرحمٰن اپنی کتاب بزم تیموریہ میں لکھتے ہیں "سر اکبر کا ایک خوشخط قلمی نسخہ دارالمصنفین کے کتب خانہ میں ہے۔ گمان یہ ہے کہ اس نسخہ کا خط داراشکوہ یا اس کے کسی منشی کے ہاتھ کا ہے۔[له]

"اس عبارت میں گمان کا لفظ قابل غور ہے تاہم اکثر مؤرخین نے اس کتاب اور اس کے دیباچہ کو دارا سے منسوب کیا ہے۔ اس لئے اس کتاب کے دیباچہ کا ترجمہ جو بزم تیموریہ میں درج ہے اور اصل فارسی دیباچہ کے مطابق ہے اس کی نقل من وعن پیش کی جاتی ہے تاکہ پڑھنے والے خود ہی کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ دیباچہ

له بزم تیموریہ صفحہ ۲۰۴

یہ ہے:

"جب یہ فقیر بے اندوہ محمد دارالشکوہ سنہ ۱۰۵۰ھ میں کشمیر جنت نظیر گیا تھا تو میں نے عنایت الٰہی اور اس کے فضلِ نامتناہی سے کاملوں کے کامل، عارفوں کا خلاصہ، استادوں کے استاد، پیشواؤں کے پیشوا اور حقائق آگاہ کے معتقدین حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ سے سیادت اور ارادت حاصل کی مجھ کو ہر گروہ کے عارفوں کو دیکھنے اور توحید کے متعلق اعلیٰ باتیں سننے کا شوق تھا اور تصوف کی بہت سی کتابیں نظر سے گذر چکی تھیں اور کچھ رسالے بھی تصنیف کئے تھے لیکن طلب توحید میں جو ایک بحر بیکراں ہے اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی۔ دقیق مسائل ذہن میں آتے تھے جن کا حل بجز کلام الٰہی اور اسناد ذات نامتناہی کے ممکن نہ تھا۔ چونکہ قرآن مجید اور فرقان کریم کی اکثر باتیں رمز کی ہیں اور آج کل ان کے جاننے والے کم ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابوں کو پڑھوں کیونکہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے یعنی جو بات مجمل ہوگی دوسری کتابوں میں مفصل پائی جائے گی۔ اس تفصیل سے اجمال معلوم ہو جائے گا۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابیں پڑھیں

لیکن ان میں توحید کا بیان عمل اور اشارات میں تھا اور ان آسان ترجموں سے جن کو اہلِ غرض نے کیا تھا، مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اس بات کی فکر میں ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان میں توحید کی گفتگو کیوں بہت زیادہ ہے اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علماء کو وحدت سے انکار اور موحدوں پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ ان پر اعتبار ہے۔ برخلاف اس کے جہلائے وقت خدا شناسوں اور موحدوں کے قتل، کفر اور انکار میں مشغول ہیں اور توحید کی تمام باتوں کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہیں رد کرتے ہیں وہ خدا کے راستے کے رہزن ہیں۔ ان باتوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس قوم قدیم (یعنی ہندوستان) کے درمیان تمام آسمانی کتابوں سے پہلے چار آسمانی کتابیں تھیں۔ اگر بید، سام بید، انبرین بید، اور اس وقت کے سب سے بڑے برہما یعنی آدم صفی اللہ پر تمام احکام نازل ہوئے اور یہ باتیں ان کتابوں سے ظاہر ہیں اور محض توحید کے اشغال اس میں درج ہیں جس کا نام اپنکیت ہے۔ اس زمانہ کے انبیاء نے ان کو علیحدہ کرکے ان پر شرح وبسط کے ساتھ تفسیریں لکھی ہیں اور ہمیشہ ان کو بہترین عبادت سمجھ

کر پڑھتے ہیں اس خاکسار کی نظر چونکہ وحدت ذات کی اصل پر تھی نہ کہ عربی، سریانی، عراقی اور سنسکرت زبان پر اس لئے چاہا کہ ان اپنکیت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے اور جس کے جاننے والے اس قوم میں بھی کم رہ گئے ہیں۔ فارسی زبان میں بغیر کسی کمی اور بیشی اور نفسانی غرض کے لفظ بلفظ بالمقابل ترجمہ کرکے سیکھوں کہ یہ جماعت اس کو اہل اسلام سے پوشیدہ اور پنہاں رکھتی ہے۔ اس کا بھید ہے۔ شہر بنارس جو اس قوم کا دارالعلم ہے اور جہاں پنڈت اور سنیاسی جو کہ ہر آمدورفت اور بید اور اپنکیت کے جاننے والے تھے.... اس خاکسار سے تعلق رکھتا تھا.... ۱۰۶۷ء میں بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا اور توحید کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتیں جن کا میں طلبگار تھا لیکن حل نہیں پاتا تھا۔ اس قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں جو بلا شک و شبہ پہلی آسمانی کتاب ہے اور بحر توحید کا سرچشمہ ہے اور قدیم ہے اور قرآن مجید کی آیت کی تفسیر ہے اور صراحتہً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بعینہٖ اس کتاب آسمانی سرچشمۂ بحر توحید اور قدیم کے حق میں ہے

وانہ القرآن کریم فی کتٰب مکنون لا یمسہ

الا المطھرون تنزیل من رب العلمین۔"

یعنی قرآن کریم اس کتاب میں ہے جو پوشیدہ ہے اور اس کو نہیں چھوتے ہیں مگر وہ جو کہ پاک ہیں وہ نازل ہوئی ہے خداوند عالم کی طرف متعین طور پر سے معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے حق میں ہے۔ چونکہ اپنکیت کہ" ایک مخفی راز ہے اصل و ماخذ ہے اور قرآن مجید کی آئتیں بعینہٖ اس میں پائی جاتی ہیں۔ پس تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب یہی قدیم ہے۔ اس فقیر کا جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا۔ اس ترجمہ کے کرنے میں اس کے سوا کوئی اور مقصد نہ تھا کہ وہ اور اس کی اولاد، اس کے دوست اور حق کے طلبگار فائدہ اُٹھائیں۔"

مولانا شبلی اس دیباچہ کے بارے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے رہے ہ" عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا تو اس کا سبب یہ ظاہر کیا کہ داراشکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے۔ اس لئے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا تو ملک میں بددینی پھیل جائے گی۔ عام مورخوں کا خیال ہے کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ داراشکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا۔ دلوں کا حال خدا کو معلوم، لیکن اس کتاب کے

دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تختِ شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعائر اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے"۔[1]

اصل متن کا ترجمہ اور مولانا شبلی کے تاثرات آپ کے سامنے ہیں۔ عبارت میں یہ جملہ خاص طور پر بحث طلب ہے کہ دارا بالکل ہندو بن گیا تھا۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب ــــــ "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" میں اورنگ زیب کو ہر قسم کی خطاؤں اور الزاموں سے بری قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اپنی جگہ یہ کوشش خاصی کامیاب اور قابلِ ستائش ہے۔ مگر اس کتاب میں داراشکوہ کے قتل کے لئے مولانا نے یہ دلیل مہیا کی کہ اورنگ زیب نے دارا کو اس لئے قتل کیا کہ وہ کافر تھا اور وہاں بھی انہوں نے اسی دیباچہ کا حوالہ دیا ہے۔

مولانا شبلی کے علاوہ جن دیگر مؤرخین نے بھی جہاں اورنگ زیب عالمگیر کو اسلام کا سب سے بڑا علمبردار اور تخت کا مستحق قرار دینے کی کوشش کی ہے وہیں انہوں نے داراشکوہ کو فاسق و ناجر

---

[1] مقالاتِ شبلی جلد ہفتم ص۱۱

بلکہ ملحد اور کافر قرار دینا بھی ضروری سمجھ لیا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ دارا کو کافر ٹھہرائے بغیر بھی عالمگیر کو اسلام کا علمبردار اور تخت کا صحیح مستحق قرار دیا جائے۔

اس سے قطع نظر اگر سر اکبر کے دیباچہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تب بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دارا نے ہندوانہ کتاب کی اس لئے تعریف کی ہے کہ اس کتاب سے توحید کے مسائل اور ان مسائل کی تشریح و تفسیر ملتی ہے۔ کتاب میں بعض دوسرے عقائد بھی پائے جاتے ہیں لیکن دارا نے ان کی کوئی تعریف نہیں کی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ اس کتاب کے متراجم کو محض ترجمہ کرنے کی بنا پر پوری کتاب سے متفق قرار دیا جائے۔ یعنی سنہ ۶۷ھ سے دارا کے قتل یعنی ۲۱ ذوالحجہ سنہ ۶۹ھ تک ہی اس کی کوئی ایسی تحریر نہیں ملتی جس سے دارا کا حنفی المشرب سلسلہ قادریہ سے قطع تعلق کرنا ثابت ہوتا ہو یا اس کے ہندو مذہب قبول کرنے کا کوئی بیان ملتا ہو

بعض علماء اور مصنف بزم تیموریہ کو اس کتاب کے بارے میں یہ اعتراض بھی ہے کہ دارا نے اس کتاب کے شروع میں بسم اللہ کی بجائے گنیش کی تصویر کیوں بنائی ہے۔ اب یوں سوچئے۔

اگر دوسری صورت ہوتی یعنی ہندو مذہب کی اس کتاب

کو بسم اللہ سے شروع کیا جاتا تو انہی علماء کو اس پر بھی اعتراض ہوتا کہ ایک کافرانہ کتاب کا آغاز بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔ یہ کوئی ایسا اہم یا پیچیدہ مذہبی مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم ہمارا مقصد صرف دارا کے عقائد میں تفصیلات فراہم کرنا ہے تاکہ قارئین کو اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں وقت نہ ہو۔

دارا کی یہ کتاب تاباں پرنٹنگ پریس طہران کی طرف سے چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ، حواشی، تعلیقات، لغتامۂ اعلام سید محمد رضا جلالی نائینی اور ڈاکٹر تارا چند نے ترتیب دیئے ہیں۔ اس کتاب میں اپنشد کے فلسفہ، ہندو مذہب اور ہندوستان کے بارے میں ضروری معلومات کے علاوہ دارا شکوہ کی زندگی اس کی کتابوں، تصاویر اور عقائد کے بارے میں بھی تبصرہ کیا گیا دارا کے عقائد کے بارے میں ۱۶۴ سے ۱۶۹ تک) تبصرہ کرتے ہوئے اور خاص طور پر اس کتاب کے دیباچہ سے دارا کے عقائد کے بارے میں نتیجہ نکالتے ہوئے صفحہ ۱۶۴ پر ان خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

"دارا شکوہ یک تعنی مسلمان صوفی مشرب حنفی مذہب است

و از کلیہ آثار او این حقیقت ظاہر و آشکار مے باشد؛

باب پنجم

دارا کے عقائد اس کی شاعری کی روشنی میں

دارا ایک باکمال نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ممتاز شاعر بھی تھا۔ سب سے پہلے اس کی شاعری کے بارے چند تذکرہ نگاروں اور نقادوں کے خیالات سے یہ واضح کیا جاتا ہے کہ اس کی شاعری میں مذہبی، اخلاقی اور صوفیانہ خیالات کہاں تک ملتے ہیں۔

سکینۃ الاولیاء میں دارا کے مرشد ملا شاہ کے ایک خط میں دارا کی شاعری کو اللہ کا خاص عطیہ قرار دیا ہے۔

خزینۃ الاصفیہ کے مصنف نے اس کی شاعری کو توحید

کا دریا اور وحدانیت کا سورج کہا ہے۔ مصنف لکھتا ہے۔

"سخن دریائے توحید است کہ از زبان گوہر افشانِ
او رواں گشتہ و یا خورشید وحدانیت است کہ
از افق لسانِ مطلع انوارش طلوع گشتہ مغزی باید کہ
سخنش را بفہمید و دمے باید کہ معانی آں دردی
امکان پذیرد۔"

کلمات الشعرا کے مصنف سرخوش نے بھی دارا کی شاعری کو صوفیانہ خیالات اور پاکیزہ نظریات کی حامل بتایا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"مطالب صوفیہ در رباعی و غزل منظوم مے کرد
و بجسب اعتقادی کہ بسلسلہ قادریہ داشت،
قادری تخلص می کرد۔"

دارا کا دیوان کافی عرصے تک نایاب رہا بزم تیموریہ کا مصنف ص۱۱۴ اور بکرماجیت حسرت (مقالہ مطبوعہ اسلامک کلچر اپریل ۱۹۴۲ء)

لکھتے ہیں کہ یہ دیوان خان بہادر ظفر الحسن (انچارج محکمہ آثار قدیمہ بنگال) کے پاس موجود ہے۔ دیوان میں ۱۴۳ غزلیں اور ۲۸

رباعیاں ہیں۔ پاکستان میں دارا کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں اور ایک نیشنل میوزیم کراچی میں ہے۔

(الف) دارا نے وحدۃ الوجود کے نظریہ کی حمایت اس طرح کی ہے ؎

خویشتن را جدا نمی دانم   لیک خود را خدا نمی دانم
قطرہ را نسبتی کہ از بحر است   بیشتر زیں روا نمی دانم

ہر سو کہ نظر می کنی ہمہ اوست،
وجہ اللہ عبا نست رو بر دراہ

قادری سلسلہ سب سے برتر ہے۔

ہست بدست آمدہ سلسلۂ پیر ما
تا بہ قیامت ہمیں سلسلۂ ما بود
دست دریں سلسلہ ہر کہ رند قلب او
نرم شود ہمچو موم گرچہ او خارا بود
سلسلۂ قادریست آں کہ بحکم خدا
بر ہمہ قادر بود تا ہمہ دنیا بود

(ب) **معرفتِ وحدت**:

یک دم از دی جدا بنشین تو   ساعتی بے خدا بنشین تو

شرکت باحق نشستن است ہمہ وقت　　خود بخود آشنا بنشین تو

(حسنات العارفین ص۵)

(ج) تعریف فقر

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن

"قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود"

سرخوش رقمطراز ہے کہ دارا کو رضی دانش کی غزل کا یہ شعر بہت پسند تھا ۔

تاک را سیراب سازلے ابر نیساں در بہار

"قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود"

چنانچہ دارا نے اس شعر کو مصرع طرح بنا کر غزلیں لکھنے کی فرمائش کی اور اس نے خود بھی ایک غزل کہی ۔ یہ شعر اس غزل سے لیا گیا ہے ۔

(د) شناخت خود :

قادری یار خویش در خود یافت　　خود نکو بود کاں نکو را برد

کے کار تو در شمار حق می آید　　قطبے تو در اعتبار حق می آید

باید کر توعین خویش رانی حق را

فانی شد نت چہ کار حق می آید

اخلاقی تعلیمات کے سلسلے میں ایک نظم "مسافر" ملاحظہ ہو۔

مسافر ہر قدر باشد سبکسار
نیاید سفر تصدیع و آزار

توہم اندر جہاں ہستی مسافر
یقیں می داں اگر ہستی توہوشیار

بقدر مال باشد سر گرانی
بقدر ہیچ باشد بار دستار

خود را نیز از سر دور گرداں
کہ ہم بار است بار ہم وپندار

تو تا باشی بہ دنیا باش آزاد
ترا چوں قادری کردہ خبردار

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے اس کے لئے ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا۔

کافر گفتی تو از پے آزارم
ایں حرف ترا راست ہمی پندارم

پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم
من مذہب ہفتاد و دوملت دارم

(حسنات العارفین ص۱۷۱)

یہ قطعہ اس کی وسعت نظری پر بھی دلالت کرتا ہے۔

دارا کہتا ہے کہ منصور نے صرف اپنے میں خدا کو دیکھا لیکن عارف ہر چیز میں خدا دیکھتا ہے۔

عارف بجزہ اطلاق خدائی نکند
از ذاتِ لطیف خود جدائی نکند
گر بندہ کسے بود خدا او باشد
چوں جملہ خدا است خود نمائی نکند

(حسنات العارفین ص۳۶)

دنیا کی تمام چیزوں کو معرفت حاصل ہے لیکن یہ راز عارف کو معلوم ہوتا ہے ۔

توحید شناخت، ہر کرا حالی ہست
در راہ طلب، ہمت او عالی ہست
خوش آنکہ میانِ خویش حق راہ بشناخت
او در ہمہ جا ہست، ہیچ جا خالی ہست

(حسنات العارفین)

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہیں ہوتا ہے

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا
ہر قطرہ آب ہست عین دریا،
حق را بچہ نام کس متواند خواندن
ہر نام کہ ہست ہست از اسمائے خدا

انسان صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ؎

تسبیح بمن عجب در آمد بزبان
گفتہ کہ مرا چرا کنی سرگردان
گر دل بہ عوض ہمی گردن تو
دانی کہ برائے چیست خلق انسان

(سکینۃ الاولیا ص۵۳)

موت سے خوف مناسب نہیں زندگی ایک خواب کی مانند ہے ؎

از مرگ نباشد اصل دل را آزار
کز خواب نترسد چو بود دل بیدار
گر جان تو جسم را بینداخت چہ شد
چوں کینہ شود پوست بیندازد مار

دارا کے دور کی تاریخوں اور اس کی لکھی ہوئی نثر اور نظم کی کتابوں سے اس کے عقائد کے بارے میں جو کچھ بھی مل سکا اس کا مختصر جائزہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دارا کے عقائد کے بارے میں مختلف محققوں کی آرا سے ضروری حصوں کا حوالہ دیا جائے گا۔

باب ششم

دارا متاخرین کی نظر میں

دارا کے عقائد کے بارے میں سب سے پہلے دارالمصنفین ندوہ کے علماء کے خیالات بیان کئے جاتے ہیں۔

دارا کے تصوف کے بارے میں سید نجیب اشرف ندوی اپنی کتاب "مقدمہ رقعات عالمگیری" میں لکھتے ہیں۔

"واقعہ یہ ہے کہ اس ہمہ اوستی تصوف کو عجمی شعراء فلسفیوں اور انشاپردازوں نے اتنا پھیلایا ہے اور اس کی اصطلاحات اور اس کے اصولوں کو اس کثرت سے داخل کر دیا ہے کہ ہم صدیوں سے اس سے متاثر ہوتے چلے آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس

طریقہ کے اس زہریلے اثر کو جو شریعت کی جڑ کو سکھا رہا ہے بد قسمتی سے محسوس نہیں کر رہے ہیں"[1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کو دارا کے تصوف سے تو کیا، اس کو تصوف سے ہی سرے سے اختلاف ہے جو صدیوں سے رائج چلا آرہا ہے۔ نجیب اشرف ندوی کے ان الفاظ سے بھی یہ کم از کم یہ واضح ہو جاتا ہے کہ دارا کا تصوف کوئی نیا تصوف نہ تھا، اور نہ دارا صدیوں سے رائج تصوف کے خلاف تھا۔

سید صباح الدین عبدالرحمن مصنف بزم تیموریہ لکھتے ہیں۔

ترجموں کی تمہید میں دارا نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حنفی المشرب اور سلسلہ قادریہ کا پیرو ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ ہندو ہونے کی کوشش کر رہا تھا یا کم از کم اپنے عقائد کو ایسے سانچے میں ڈھال رہا تھا کہ ہندو اس کی طرف مائل ہو کر تخت و تاج کے حصول میں اس کے

---

[1] مقدمہ رقعات عالمگیری ص۳۶۶

معاون اور مددگار ہوں[1]۔ دارا نے ہندو مذہب کی کتاب، اپنشد کی صرف اس لئے تعریف کی کہ اس میں توحید کے مسائل کی تائید ملتی ہے۔

دوسرے سیاسی طور پر ہندوؤں کو ساتھ ملانے کی کوشش کرنا گناہ نہیں جب سے مسلمان ہندوستان میں آئے ہیں مسلمان بادشاہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ ہندو عوام ان کے ساتھ تعاون کریں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سوائے چند مفاد پرست مہاراجوں اور گمراہ سیاستدانوں کے عوام نے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کیا۔

ندوہ سکول کے ان مخالف محققین کے علاوہ چند ایک ایسے محقق بھی ہیں جنہوں نے دارا کے تصوف اور اس کی شخصیت کی تعریف کی ہے۔ اس سلسلے میں محفوظ الحق کا نام نمایاں ہے۔ اس نے نہایت محنت سے دارا کی کتاب مجمع البحرین کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اس ترجمے کے ساتھ ۴۴ صفحوں کا مفصل دیباچہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں دارا کی شخصیت کے ہر پہلو سے تعارف موجود ہے۔ دیباچہ میں محفوظ الحق دارا کے عقائد کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ دارا راہ راست پر تھا۔ وہ حنفی المشرب سلسلۂ قادریہ کا ایک فرد تھا۔ وہ دارا پر

---

[1] بزم تیموریہ صہ ۲۰۴۔

کفر کے الزام کی تردید بھی کرتے ہیں۔[1] سانکی رائے کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ایک قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ دارا تمام زندگی مسلمان رہا اس نے کبھی ہندو مذہب اختیار نہیں کیا یہ سیاسی سازشیں تھیں جن کی وجہ سے دارا کے بارے میں غلط قسم کے خیالات پھیل گئے۔

محفوظ الحق کے علاوہ جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب "اورنگ زیب" میں دارا کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ دارا کو قتل کرنے کا یہ بہانہ بنایا گیا کہ وہ کافر ہو گیا ہے اور دوسرے سلطنت کے استحکام کے لئے اس کا وجود خطرناک ہے۔ جادو ناتھ سرکار برٹش میوزیم کے قلمی نسخوں کا حوالہ دیکر لکھتا ہے کہ دارا نے اورنگ زیب سے ایک رحم کی اپیل کی اور اس اپیل کے حاشیہ پر اورنگ زیب نے عربی میں لکھا تم نے پہلے بغاوت کی اور دوسرے تم ہمیشہ میرے خلاف شر پھیلاتے رہے اس لئے تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔[2] ویسے یہاں بھی اورنگ زیب نے دارا پر بغاوت کا الزام عائد کیا ہے اور دوسری معمولی معمولی ایذا رسانیوں کا شکوہ کیا ہے۔ دارا پر کفر کے فتوے کا وجود یہاں بھی نہیں ملتا۔ دارا کی زندگی کے حالات اور مذہبی خیالات پر تحقیق کرنے والے

---

[1] مجمع البحرین ص۲۶، ۲۷

[2] اورنگ زیب عالمگیر جلد دوم ص۵۴، ۵۵

میں سب سے اہم نام قانون گو کا ہے۔ جس نے داراشکوہ کے مکمل سوانحیات قلم بند کئے ہیں۔ جلد اوّل کے پانچویں باب میں دارا کے مذہبی خیالات کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ دارا تمام زندگی مسلمان رہا اور وہ مسلمان بزرگوں سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا وہ صرف اتنا تسلیم کرتا تھا کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی مختلف طریقوں سے جو کوششیں کی جاتی ہیں۔ ان میں الفاظ کا فرق ہے۔ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کا صرف ایک راستہ ہے اگر صدق دل اور خلوص نیت سے اس معاملے پر غور کیا جائے تو آپس میں مذہبی تنگ نظری اور فسادات کی ضرورت نہیں رہتی امن اور سکون سے سب اختلافات دور ہو سکتے ہیں چنانچہ اس نے ہندو مذہب کی کتابوں سے اس قسم کے نظریات ڈھونڈ ڈھونڈ کے نکالے جو اسلامی عقائد سے مماثلث رکھتے ہیں۔

اسی کتاب کے آخری دو ابواب میں مصنف نے دارا کے مسلمان اولیاء کرام کے ساتھ تعلقات اور دارا کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ مصنف نے مزید لکھا ہے کہ دارا حنفی المشرب سلسلہ قادریہ کا معتقد تھا اور ہو سکتا ہے کہ وہ اورنگ زیب سے کم نماز روزہ کا پابند ہو مگر وہ پکے مسلمان عقائد رکھتا تھا اور تمام عمر روحانی سچائیوں کی تلاش

میں رہا۔ اور جو سیڑھی اسے تاج حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنی چاہئے تھی، اسنے اس سے روحانی دنیا کی بادشاہت حاصل کرنے کا کام لیا۔

اس کتاب کا دیباچہ آر سی مجمدار نے لکھا ہے وہ لکھتا ہے اگر دارا ایک عام انسان کے گھر جنم لیتا تو اس کا شمار بھی آج عظیم مسلمان اولیاء میں ہوتا۔ آر سی مجمدار مزید لکھتا ہے کہ اگر آج بھی ہندوستان میں ہندو مسلم امن وسکون سے رہنے کا رستہ اختیار کرنا چاہیں تو انہیں اس مقام سے کام شروع کرنا چاہیئے جہاں دارا نے یہ کام چھوڑا تھا۔

مصنف نے دارا کے اپنشد کے فارسی ترجمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس ترجمہ کو لفظ بہ لفظ ترجمہ تو نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دارا نے اسے اس طرح پیش کیا ہے کہ اسلامی نظریات رکھنے والے لوگ اس کتاب کو آسانی سے سمجھ جائیں۔ مصنف کی رائے میں دارا نے مجمع البحرین کی تصنیف سے ہندوؤں اور مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس کی تمام خدمات امن وسکون اور عرفان وسلوک کے لئے وقف تھیں اور وہ بلا شک وشبہ خاندان مغلیہ میں بے مثال شخصیت کا حامل تھا اس میں شاہی خصوصیات کی بجائے فقر کا رنگ زیادہ نمایاں تھا۔ اور وہ تمام عمر تصوف سے ہمکنار رہا۔

باب ہفتم

دارا کے عقاید پر محاکمہ

آخر میں دارا کے عقاید کا صرف ایک حصہ قابل بحث رہ جاتا ہے
اور وہ کفر کا فتویٰ ہے۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فتویٰ کفر کے بارے
میں معاصر تاریخیں خاموش ہیں۔ مآثر عالمگیری سے صرف اتنا واضح ہوتا
ہے کہ عالمگیر نے دربار کے معتبر اور خاص عہدیداروں کے ساتھ مشورہ
کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ دارا کا زندہ رہنا مملکت کے امن کے لئے خطرناک
ہے[1]۔ واقعات عالمگیری اور تاریخ شجاع میں کوئی تفصیلات نہیں ملتی۔
اورنگ زیب نے عموماً ایسے لوگوں کے خلاف کاروائی کی ہے۔

---

[1] مآثر عالمگیری ص۲۷

جو مملکت کے لئے نقصان دہ تھے۔ مثلاً اورنگ زیب نے مشہور بزرگ
شیخ محمدی کے بارے میں خاموشی برتی، حالانکہ وہ ان کے عقائد کے
خلاف تھا۔ مآثر الامراء[1] میں درج ہے کہ "حضرت شیخ محب اللہ
الہ آبادی کے "رسالہ تسویہ" میں اورنگ زیب کی نظر بعض ایسی عبارتوں
پر پڑی جو اس کے خیال کے مطابق اسلامی عقائد کے خلاف تھیں۔
اورنگ زیب نے شیخ محمدی کے پاس پیغام بھیجا کہ [illegible]
کی مریدی کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کے رسالے کے مضامین کو شرعی
احکام کے مطابق بتائیں ورنہ ان کی مریدی سے استغفار کریں اور کتاب
کو [illegible] دیں۔ شیخ محمدی نے جواب دیا کہ [illegible] شیخ کی
مریدی سے استغفار کی ضرورت نہیں، لیکن جس مقام سے شیخ نے
گفتگو کی ہے، مجھے وہاں تک رسائی حاصل نہیں، جس وقت میں
اس مرتبہ کو پہنچ جاؤں گا تو آپ کی درخواست کے بموجب اس
کی [illegible] کروں گا اور اگر آپ نے [illegible]
کرلیا ہے تو [illegible] کے گھر سے کہیں زیادہ شاہی مطبخ میں آگ
موجود ہے۔ عالمگیر اس جواب کو سن کر خاموش ہوگیا[1]۔ اس

---

[1] مآثر الامرا جلد سوم ص ۴۰۲ - ۴۰۴۔

سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اورنگ زیب تصوف کے ان نظریات کے ایسے ہی خلاف ہوتے تو شیخ محمدی کے جواب کے بارے میں خاموشی نہ اختیار کی جاتی۔

اس ضمنی واقعہ سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عالمگیر کا دارا کے قتل کے بارے میں فیصلہ خاص طور پہ اس کے تصوف کی وجہ سے نہ تھا۔

دارا کے قتل کے بارے میں مصنف شاہجہان نامہ کا بیان غیر جانبدارانہ معلوم ہوتا ہے جلد سوم صفحہ ۳۴۲ پر لکھتا ہے۔

"جملاً چوں آں زیب مجموعۂ عزت کہ موج خونش خاک را در چمن، لالہ گرفتہ چہرہ بخون شہادت رنگین ساختہ مانند گل با سینۂ صد چاک از چمن دنیا رحلت نمود با ہماں لباسی کہ در بر داشت آوردہ در روضۂ حضرت جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ مدفون ساختند۔"

مصنف دارا کے قتل کیلئے شہادت کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس دور کے تمام مورخین اس چیز پر متفق ہیں کہ دارا کو بغیر غسل دیئے اسی لباس میں دفن کیا گیا۔ جو اس نے قتل ہوتے وقت پہن رکھا تھا۔ مسلمانوں کے ہاں یہ اعزاز صرف شہید کیلئے ہی مخصوص ہے

دارا کو مسلمانوں کے قبرستان میں آنجہانی ہمایوں بادشاہ کے ساتھ دفن کیا گیا۔ اگر اسے ہندو یا عیسائی کی حیثیت سے قتل کیا جاتا تو اس کی تدفین کا یہ

انداز اور یہ مقام ہرگز نہ ہوتا۔

دارا جب بھی اپنی کسی کتاب کا نام رکھتا تو اس کی فال قرآنِ حکیم سے نکالتا، اس چیز سے اس کی قرآن حکیم سے عقیدت کی منزلت کا پتہ چلتا ہے۔

دارا کے آثار میں کتابوں کے علاوہ اس کی تعمیر کردائی ہوئی یادگار تاریخی مسجد آج بھی مقبوضہ کشمیر میں موجود ہے جو اس کے نام کے ساتھ منسوب ہے۔

اس کے علاوہ نماز کے احترام کے بارے میں سفینۃ الاولیاء میں رضی الدین علی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "ما این فقیر بہ آنجا (غزنین) رسید نماز عصر در آں روضہ متبرکہ گذاردہ و در ہماں روز اکثر مزارات مشائخ غزنین را طواف نمودہ۔"

دارا جب آخری بار سنہ ۱۰۶۸ء میں شاہجہان سے جدا ہو کر اورنگ زیب اور مراد کے مقابلہ کے لئے نکلتا ہے اس وقت بھی شاہجہان کی تسلی و تشفی کے لئے قرآن حکیم کی آیت ہی پڑھتا ہے۔

جہاں آرا بیگم جو دارا کی بڑی بہن تھی صوم و صلوٰۃ کی پابند اور عارف خاتون تھی وہ اپنے ایک رسالے میں جو اس نے ملا شاہ اور اس کے مریدوں کے حالات کے بارے میں لکھا ہے دارا کے بارے میں "عارف اسرار صاحب

ذوق و حضور، نورِ عین و عین نور، ذی المعالی والمفاخر سلطان محمد داراشکوہ قادری ؒ کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔

جہاں تک مغربی سیاحوں کے اس الزام کا تعلق ہے کہ دارا مرتے وقت عیسائی ہو گیا تھا لغو اور مضحکہ خیز ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دارا ایک انگوٹھی پہنتا تھا جس پر لفظ پربھو نقش تھا۔ اس کے معنے "الرب" کے ہیں۔ دارا اس بات میں کوئی عیب نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اسے وسیع النظری خیال کرتا تھا کیونکہ مسلمان ہمیشہ سے اس معاملے میں فراخدل رہے ہیں۔ دوسری زبانوں کے الفاظ کے استعمال میں انہوں نے کبھی کوئی تنگ نظری نہیں برتی۔ مثلاً صلوٰۃ کی بجائے نماز اور اللہ کی بجائے خدا اور صوم کی بجائے روزہ وغیرہ کہنے میں کبھی کوئی گناہ خیال نہیں کیا اور ویسے بھی قرآن حکیم نے سب زبانوں کو اللہ کی نشانیاں قرار دیا ہے۔ اس لئے اس اعتراض کی حقیقت بھی آپ کے سامنے ہے۔ ان تمام باتوں کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دارا حنفی المشرب قادری سلسلے سے تعلق رکھتا اور اسی سلسلے کو سب سے افضل مانتا تھا۔

ہست بدست آمدہ سلسلۂ پیر ما	تا بہ قیامت ہمیں سلسلہ ما بود
دست دریں سلسلہ ہر کہ زند قلب او	نرم شود ہمچو موم گرچہ ادخارا بود
سلسلۂ قادریست آں کہ بحکم خدا	بر ہمہ قادر بود تا ہمہ دنیا بود

اب آخر میں داراشکوہ کی چند منتخب غزلیں درج کی جاتی ہیں جن میں مسائل تصوف اس کے عقائد اور سلسلۂ قادریہ کی نمائندگی نمایاں ہے۔

همه موجود در وجودِ ما — کنج مخفی است ایں نمودِ ما
گرچه در پرده داشتم آواز — شد زنی ظاهر ایں سرودِ ما
اندیدیم ہیچ غیرِ خود — غیر ننمود در شهودِ ما
سرِ ما نم که شد بجانبِ ما — از پئے خویشتن شد سجودِ ما
فرق در قادر و قادری نیست
عین اطلاق شد قیودِ ما

مسکینی تو طعن بر کردارِ ما — با خدا باید سپردن کارِ ما
ما براہی رفته ایم از سہراد — می بیا اندر پئے رفتارِ ما
ما بدیم اما نکوئی آفرید — ہیچ بی حکمت نکرده یارِ ما
یک کسی مومن نگشتی در جہاں — گر نمی آمد میاں گفتارِ ما
صورتِ تسبیح کی گشتی در دست — گر نبودی رشته زنارِ ما
قادری دکانِ آنہا خالی است
گرم از وحدت بود بازارِ ما

بنام آنکہ نامش عین ذاتست
وجود او منزہ از صفاتست

ہمہ وجہ و ہمہ سمع و ہمہ عین
ہمہ تنزیہ پاکی در حیا تست

ز دانش ہردو عالم برقرار است
ز حکمش کوہ و اندر بناتست

کسی خاموش از ذکرش نباشد
اگرچہ سنگ حیوان و نباتست

بچشم بہ مبیں ای قادری ہیچ
ہمہ جا او است گرچہ سومناتست

مرا دعوی پاکبازی کجاست
مرا جامہ ہای غازی کجاست

رضاء خدا ہر چہ خواہد کند
مرا ہمسرے کار سازی کجاست

بیاندیم خود را دا اورا بریم
کہ بہتر ازیں شیر بازی کجاست

مجازی نباشد مرا عشق او
حقیقی است عشقش مجازی کجاست

چه طور است گر قادری گوید او
نمازی نخواهم نمازی کجاست

عاقلانرا باز گو این حال چیست
مال دنیا سهل باشد مال چیست

ترک غیر حق بکن او را بگیر
غیر نائد کار قیل و قال چیست

دست زر آلوده بد بو میشود
جان زر آلوده را احوال چیست

نفس خواهش را بکن ای قادری
رقص اندر سوء این جهال چیست

نیست بی چاره هیچ کار درست
نیست چیزی چو چار یار درست

چار عنصر چهار رکن جهان
هم رباعی است از چهار درست

چار کنج است و چار دیوار است
نیست بی این بد احصار درست

بهرِ تختِ نبی ہمی باید
پایۂ چار استوار درست

ہر کہ ہر چار را یکی داند
قادری او ست دوستدار دوست

چو خداؤ صاحبِ من پیر ہست
کعبۂ من حضرت کشمیر ہست

ہر کہ شہ را دید کعبہ را بجست
در نگاہی ادیش این تاثیر ہست

دامن شہ را بگیر ای کعبہ او
کعبہ را پس چوں بود این گیر ہست

گر خدا بخشد بقا حاصل کنی
در طریقش اینچنیں تعمیر ہست

حضرت ملا شہ آں شاہ ما،
کو مرید خاص میاں میر ہست

ہر مسی را زر کند ارشاد او
طالبان را فقر او اکسیر ہست
شاہ را چوں قادری محکم گرفت
ہرکرا دیدار حق تقدیر ہست

ہر کہ جانِ خویش با او بستہ است
از زوال دو جہاں او رستہ است
بستگانِ گر بد بگو شُند پس چہ باک
او خلاص از مدح و ذم بنشستہ است
دل باو بست و خلاص از غیر شد
شکر للہ گر ہمہ کس بستہ است
کندہ از اغیار بہر یار خویش
با سگانِ کوی او پیوستہ است
پیش قادر قادری بیقدر نیست
قدر او را خوب حق دانستہ است

در جہاں غیر فگارم تو مدان ہیچ ملیح
کہ کلامش ہمہ وصفت چو قرآن فصیح

لطف او خستگی و جان مرا ساز دبہ،
ہر کہ آں یافت مرا ہست دراچہ حاجت بمسیح

ہر کرا دیدن آں روی میسر گردد
عین مذکور شود دست نگیرد تسبیح

عاشقش را نرسد ز آتش دوزخ آسیب
ہست ز استاد عزیزم بمن ایں نقل صحیح

عشق او لائق ہر بوالہوسی کی باشد
عاشقش بہ ملک دانش ندارد ترجیح

غیر یک یار نباشد بجہان چیزِ دگر
قادری کرد اشارت بہمان بار صریح

یک وجودی ہو است لا محدود
کہ بردن بود بنورِ حدِ حدود

کرد خواہش بدیدن رخ خویش
چونکہ ہر حسن کنج مخفی بود

پس ز ہو عاشقی ہویدا شد
از ہمیں خواست جملہ شد موجود

حسن خود بر سبیل تجلی دید
نام آں کل محمدم فرمود،

کشت معشوق خویش دراین نام — شد کلید در خزانهٔ جود

بعد زاں غیرتش خدای خواست — شد خدا و رسول گفت و شنود

خواست با دوست حرفہا گوید — گشت قرآن و خویش را بستود

چوں نظر کرد در صفات خویش — شد رحیم و کریم و رب او دود

آخر از عشق جملہ پیدا شد — ایں کرہا تمام عشق کشود

نقطۂ سیر چوں تمام بشد — عبد در نام کشتہ شد معبود

قادری جملہ از تو پیدا شد — آنچہ بود است و ہست و خواہد بود

کِتابیات

(۱) سفینۃ الاولیاء — داراشکوہ — نولکشور۔

(۲) سکینۃ الاولیاء — 〃 〃 — 〃 〃

(۳) مجمع البحرین (داراشکوہ) بمعہ انگریزی ترجمہ از محفوظ الحق

(۴) سرِاکبر — ترجمہ داراشکوہ — مطبوعہ ایران۔

(۵) طریقۃ الحقیقت — داراشکوہ — نولکشور

(۶) حسنات العارفین — 〃 〃 — 〃 〃

(۷) اکسیرِ اعظم — دیوانِ قادری — دیوان داراشکوہ۔

(۸) عالمگیر نامہ — (کاظم)

(۹) بادشاہنامہ — ملاّ حمید

(۱۰) تاریخ ہندوستان — ذکاء اللہ

(۱۱) اورنگ زیب - جادو ناتھ سرکار (۱۹۱۲)
ایم سی سرکار اینڈ سنز کلکتہ۔

(۱۲) ٹریولز بائی برنیر۔ (انگریزی)

(۱۳) مراۃ الخیال۔

(۱۴) رقعات عالمگیری۔ عاقل خاں رازی۔

(۱۵) داراشکوہ (انگریزی) قانون گو۔

(۱۶) ہسٹری آف انڈیا۔ الیٹ اور ڈاؤسن۔

(۱۷) کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔

(۱۸) سرمد۔ ڈاکٹر فضل محمود۔

(۱۹) جرنل آف دی رائیل ایشیاٹک سوسائٹی۔

(۲۰) عمل صالح۔ محمد صالح کمبو۔

(۲۱) تاریخ شجاعی۔

(۲۲) منتخب اللباب۔ محمد ہاشم

(۲۳) تذکرہ خوشنویساں۔ سرخوش۔

(۲۴) تزک جہانگیری۔ نولکشور لکھنؤ ایڈیشن۔

(۲۵) مآثرِ عالمگیری۔ از محمد ساقی مستعد خاں۔

(۲۶) مآثر الامرا - تالیف صمصام الدولہ شاہ

نوار خان) ۔
(۲۷) اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ۔ شبلی نعمانی
تاج بکڈپو لاہور ۔
(۲۸) دقائع نعمت خان عالی ۔
(۲۹) سٹوریا ڈومو گور ۔ مینوچی ۔ انگریزی ترجمہ ۔
(۳۰) بزم تیموریہ ۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۔ مطبع
معارف اعظم گڑھ ۔
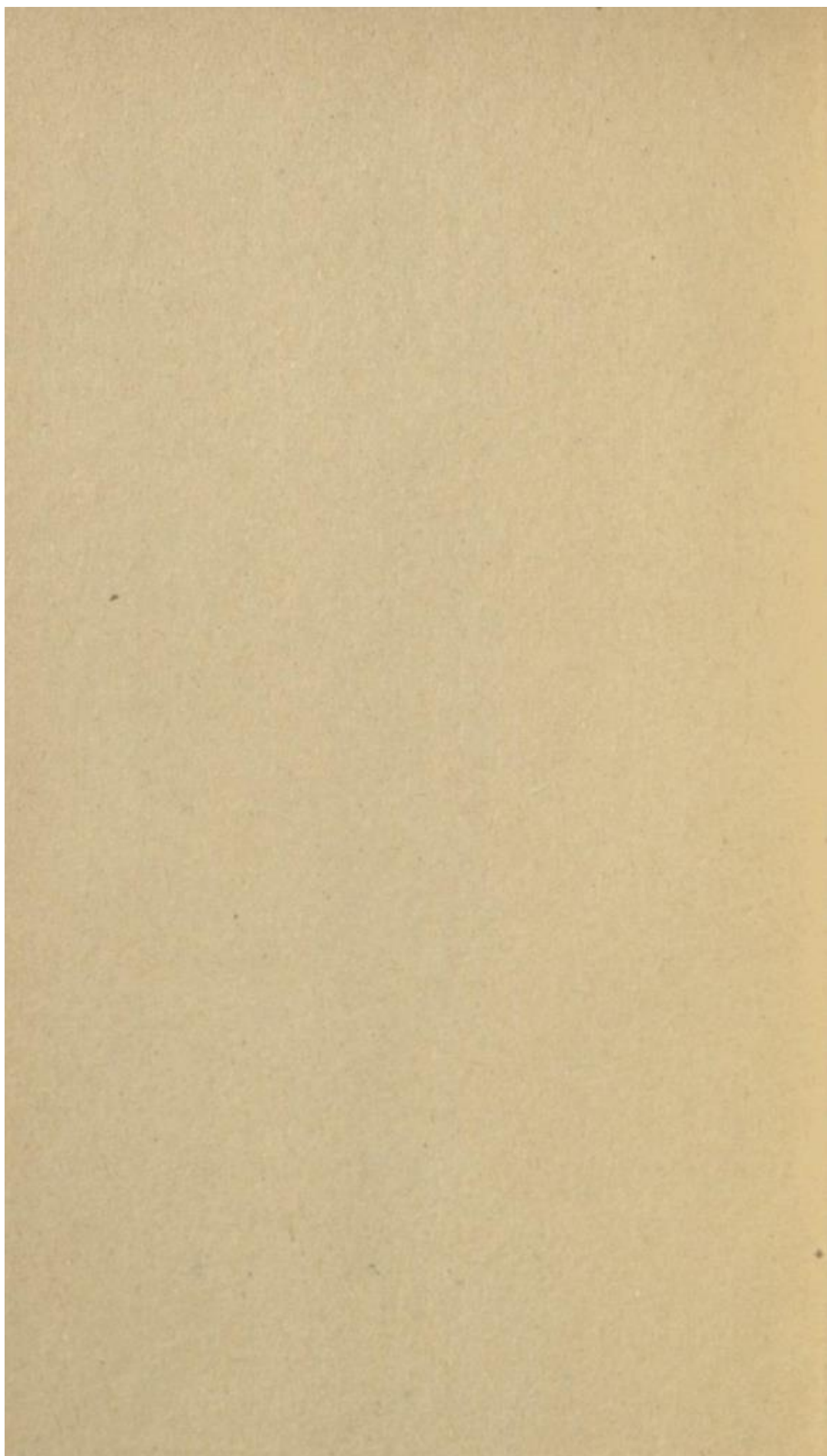
کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
حقیقت روح انسانی	امام غزالی	1-50
اصحاب کہف	ابوالکلام آزاد	1-50
اسلام اور آزادی	"	1-25
رسول خدا کا دشمنوں سے سلوک	امداد صابری	2-00
قران اور اقبال	ابومحمد مصلح	2-25
تزک تیمرری	ترجمہ ابوالہاشم ندوی	2-50
تزک بابری	" رشیداختر ندوی	5-50
تزک جہانگیری	" مولوی احمد علی صاحب رامپوری	7-50
همایون نامہ	" رشید اختر ندوی	6-50
جلیانوالہ باغ	" ابوالہاشم ندوی	1-75
بابا فرید گنج شکر	نصیر احمدعلی	2-50
حضرت مجددالف ثانی	نظام الدین توکلی	1-50
سیرت بایزید	علامہ فضل احمد عارف	2-50
کاروان خیال	ابوا لکلام آزاد	1-50
رباعیات انیس	مرتبہ - عمر فیضی	1-50
انتخاب مومن	" مشرف انصاری	1-50
مثنوی سحرالبیان	" احسان‌الحق اختر	3-50
باغ و بہار ایک تجزیہ	ڈاکٹر وحید قرشیی	3-00
سب‌رس کا تنقیدی جائزہ	احسان الحق اختر	1-25
نقد سرشار	تبسم کاشمیری	3-75
خیالستان	سجاد حیدر یلدرم ترتیب حیات احمد خیال سیال	3-00
دھلی کا ایک یادگار مشاعرہ تنقید و تبصرہ	مرزا فرحت اللہ بیگ احسان الحق اختر	2-25
باغ و بہار	میر امن دھلوی	3-00

سنگِ میل پبلی کیشنز

چوک اردو بازار ○ لاہور